بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

ایک کتاب کی اشاعت کیلئے جن جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے یہ بڑا ہمت والا اور صبر آزما کام ہے۔ خاص طور پر ایسی کتاب کی اشاعت جو کسی اور زبان میں لکھی گئی ہو، ترجمہ کرانا، پھر ترجمہ کی تصحیح اس طرح کرنی کہ اصل نقطہ نظر بھی تبدیل نہ ہو سکے، بڑا دشوار کام ہے، بہر حال تمام مراحل سے اپنے دوستوں اور اہل علم حضرات کی مہربانیوں ان کی خصوصی توجہ اور لگن کی وجہ سے بحسن وخوبی گزر چکے ہیں۔

ہمارے دور میں بھی انہی افکار کے حامل ایک نامور اسکالر اور عالم حاجی عبد الغفار حاجی محمد چولا، قلمباز، جام نگری نے بھی اپنے انہی خیالات کی تائید میں ایک کتاب "اکبری دھرم" کے نام سے تصنیف کی ہے جو بالکل اچھوتی اور نادر کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنے اس خیال کو کہ اکبر ایک نئے دھرم کا بانی تھا، علمی اور تاریخی حقائق کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے بگاڑ کے اسباب وعلل بھی بیان کر دیئے ہیں اور جابجا ان علماء سوء ومشائخ کا بھی رد کیا ہے جن کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اکبر بحر ظلمات میں گرتا چلا گیا۔

حاجی عبد الغفار حاجی عمر چولہ کی تحقیق کے مطابق شیعہ علماء کی کارستانیاں اور صوفیوں کی ہوس پرستی، یہ دو بنیادیں ایسی ہیں جو اکبر کو بگاڑنے میں پیش پیش تھیں، اگر سرزمین ہند میں شیعت اور صوفیت کا وجود نہ ہوتا تو شاید اکبر کبھی بھی گمراہی میں مبتلا نہ ہوتا۔

اس بارے میں پوری تفصیل ان کی تحقیقی کتاب میں ملتی ہے، اس میں نامور اسکالر نے نہ صرف اکبر کے دین الٰہی پر تنقید کی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شیعت جو اصل مرکزی کردار ہے اس پر بھی کڑی تنقید کی ہے۔

ان کی یہ نادر تحقیقی کتاب آج سے تیس سال پہلے گجراتی زبان میں لکھی گئی تھی جو گجراتی علمی حلقوں میں بڑی مقبول تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس اُردو داں طبقہ کیلئے بھی ترجمہ کرا کر شائع کیا جائے تاکہ حاجی صاحب کے افکار سے اردو پڑھنے والے بھی مستفید ہو سکیں۔

اس لئے پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق "اکبری دھرم" پر اس سے زیادہ وہ حقائق پر مبنی اور مختصر کتاب جس میں اکبر کے دینی احکام کا پس منظر اور اسباب و علل بھی بیان کر دیئے گئے ہوں کوئی اور کتاب نہیں ہے۔ قارئین مطالعہ کے بعد میری رائے کی ضرور تائید کریں گے۔

جن حضرات نے اس کارِ خیر میں حصہ لیا ان کا ہم خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان میں خصوصی طور پر جناب انور سعید صاحب کے ہم ممنون ہیں کہ انہوں نے شروع سے آخر تک ہر مرحلہ پر ہماری رہنمائی کی۔ جناب ہارون مصطفوی صاحب اور جناب شاہد حسین صاحب (ہجویری گرافکس) کی کاوشوں سے کمپیوٹر کمپوزنگ کا کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔

ناشر

محمد رضوان محمد حنیف

4/5A عرشی اسکوائر، ڈی میلو روڈ، آف برنس روڈ، کراچی

فون 2620495

۲۵ / مارچ ۲۰۰۶ء

تعارف مصنف

میمن برادری سے تعلق رکھنے والے بھارت کے مشہور شہر جام نگر کی مشہور و معروف شخصیت حاجی عبد الغفار چولا ۱۹۱۶ء میں بھارت شہر جام نگر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم جام نگر میں حاصل کی چار جماعتیں گجراتی اور تین جماعتیں اردو کی تعلیم حاصل کی آپ کے والد حاجی عمر کا جام نگر میں لہسن کا بڑا کاروبار تھا لیکن آپ کی طبیعت اور مزاج کاروبار کے خلاف تھا اس لئے آپ والد کے کاروبار میں دلچسپی نہیں لیتے تھے بلکہ آپ کو بچپن ہی سے مختلف اخبار و جرائد میں کہانیاں غزلیں وغیرہ لکھنے کا شوق تھا یہاں تک کہ راجہ شاہی دور میں جب بجلی نہیں تھی سڑک پر جو "دیئے" جلائے جاتے تھے اس زمانہ میں بیڑی کا کش لگا لگا کر ہلکی روشنی میں بڑھتے تھے آپ نے ۱۲۰ سے زائد کتابیں لکھی آپ کی سب سے بڑی پہلی کتاب جیون ایک کہانی ناول ۱۹۴۰ء میں منظر عام پر آئی۔ آپ نے تمام کتابیں گجراتی زبان میں لکھیں۔ پہلا ماہنامہ "پرچم" اور "رضوان" کیلئے درخواست دی مگر "رضوان" کی ڈیکلریشن ملنے سے پہلے "پرچم" کے نام سے چار شمارے نکالے اس کے بعد ڈیکلریشن ملنے کے بعد ماہنامہ "رضوان" نکالنے لگے جس میں انڈین گورنمنٹ کے خلاف بہت کچھ لکھا اسی بناء پر گجرات گورنمنٹ نے انہیں نوٹس دیا جس کے جواب میں حاجی صاحب نے لکھا میں نے قانون کے خلاف کچھ نہیں لکھا اگر لکھا ہے تو عدالت سے رجوع کرو جب انڈین ڈیفنس آف انڈیا رول کے تحت دس ماہ تک نظر بند کر دیا اس دوران انہیں باقاعدگی سے خرچہ بھی ادا کیا جاتا تھا۔

جام نگر میں مذہبی تحریک چلنے سے پہلے گجراتی زبان میں غزلیں اور ناولیں لکھتے تھے اور غزل منڈل بھی چلاتے تھے جہاں مشاعروں کا اہتمام ہوتا تھا اسی طرح ماہنامہ "المومن" اور "انصاف" بھی کچھ عرصہ کیلئے نکالے انتقال سے پہلے ایک ماہنامہ "سنی پاسبان" بھی جاری کیا تھا جس کے بارہ شمار شائع ہوئے تھے لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے اسے جاری نہ رکھنے کی معذرت کر لی۔

آپ کی تمام تصانیف گجراتی زبان میں شائع ہوئی ہیں ان میں کچھ کتابیں بہت مشہور ہوئیں۔ جس کے اس قدر ایڈیشن شائع ہوئے لیکن شائقین کی پیاس ابھی تک نہیں بجھ سکی۔

دو کتابوں کے پاکستان میں اُردو ترجمہ بھی شائع ہوئے جسے محمد رضوان محمد حنیف نے بڑی محنت جانفشانی اور لگن سے شائع کرایا خود مرحوم کو جب ان ترجموں کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے "قرآن پاک کے حیرت انگیز قصہ" کا اُردو ترجمہ ہوا ان میں اس کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں دوسری کتاب "ابلیس کی کہانی" کا اُردو ترجمہ ہوا یہ کتاب بھی اردو میں کافی مقبول ہوئی اور اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہونے کو ہے اس کے علاوہ جن کتابوں کے اردو میں ترجمے ہو رہے ہیں ان میں سے "اللہ کے پیغمبر" گجراتی زبان میں ۱۳۰۰ صفحات کی کتاب ہے اس کے علاوہ "اکبری دھرم" (دین الٰہی) کا بھی اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس سے اُردو پڑھنے والے قارئین بھی استفادہ کر سکیں گے۔

حاجی صاحب مرحوم کے خلاف تقریباً پچاس سے زائد مقدمات تھے جو انہوں نے ذاتی طور پر خود لڑے اور وکیل کی معاونت کے بغیر تمام کے تمام جیتے۔

آپ نہایت منکسر المزاج مہمان نواز اور پُر خلوص شخصیت کے مالک تھے وضع داری ملنساری کے سبب آپ کے دوست و احباب کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا افسوس موت نے اب ان کو ہم سے جدا کر دیا لیکن آپ سماجی اخلاقی اور گجراتی ادبی خدمات کے سبب آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ۲۰/ جنوری ۲۰۰۱ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

تمام پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ جب بھی اس تحریر کا مطالعہ کریں مرحوم کو ایصالِ ثواب ضرور پہنچائیں۔ شکریہ

اس کتاب کی تیاری میں اور مرحوم کی زندگی کے حالات سے آگاہ کرنے میں جن لوگوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا ان کے ہم بہت شکر گزار ہیں ان میں محمد اسماعیل ماکرا صاحب ہارون بھائی مصطفوی صاحب، انور سعید صاحب اور عصمت علی پٹیل صاحب کا خاص طور پر ذکر کرنا مقصود ہے کہ ان کی محنت لگن کے بغیر سب کچھ ممکن نہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

کئی سالوں سے دل اور دماغ میں یہ سوچ چھائی ہوئی تھی کہ ایک ایسی تاریخی کتاب کی اشاعت کی جائے جس میں موجودہ دور کے لوگوں کے حالات اور واقعات کو سابقہ دور سے منسلک کیا جائے تاکہ لوگ کچھ سبق حاصل کر سکیں اور لوگ حق اور باطل کے درمیان بنیادی فرق کو آسانی سے سمجھ سکیں۔

اللہ کے عظیم، سب سے بہتر اور آخر الزماں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک دور سے اب تک بہت سے لوگوں نے خدائی دعویٰ یا نبوت کا دعویٰ یا مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ایسے جھوٹے دعوے کر کے انہوں نے اپنی دکان سجا کر دولت حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا تھا، اکبر کو اپنے دورِ حکومت کو مستحکم کی دلی خواہش تھی، اس کیلئے اس نے مذہبی ماحول میں گندگی پھیلا کر اسلامی دنیا میں ہلچل مچادی تھی۔ اس تاریخ کو جاننے کیلئے کئی قابلِ اعتماد کتابوں کا مطالعہ ضروری تھا، ان میں کئی ایک کتابیں تو حاصل ہوئیں اور بقیہ حوالوں کا سہارا لینا پڑا۔ مجھے اپنی کم مائیگی کا اقرار ہے، مگر میں نے اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات پر مکمل اعتماد رکھ کر قلم اٹھائی ہے۔ مجھے افسوس ہوا کہ مجھے ضرور اس بدبخت انسان کی تاریخ تحریر کرنا چاہیے، جو اس دور کا شہنشاہ تھا، وسیع علاقے پر اکیلا حکومت کرنے والا تھا، اس نے اپنے دور میں ایک عظیم خطرناک فتنہ "دینِ الٰہی" کے نام سے شروع کیا تھا جس کو ہم نے "اکبری دھرم" کا نام دیا ہے۔

لگ بھگ چار سو سال پہلے شہنشاہ اکبر نے اپنے نئے مذہب دینِ الٰہی کی ابتداء کی جو واقعی دینِ الٰہی نہیں بلکہ دینِ شیطانی تھا، اس مذہب کے اثرات ہندوستان اور پاکستان کے مسلم معاشرے پر چار سو سال گزرنے کے بعد بھی کم و بیش نظر آتے ہیں اور یہ مکمل طور پر ختم نہ ہو سکے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شہنشاہ اکبر کا بنایا ہوا فتنہ کتنا خطرناک تھا۔

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "وقت کے مجدد" تھے، ان کے استاد حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شہنشاہ اکبر کے عقیدے اور کاموں کو دیکھ کر واضح طور پر کہا تھا کہ "اکبر نہ بود کفر بود" مطلب یہ ہوا ہے کہ اکبر کو اکبر نہ کہو بلکہ اُسے اکفر برا کافر (کٹر کافر) کہو۔ یہ واقعی درست اور حقیقت پر مبنی ہے۔

یہ حقیقت سورج کی طرح عیاں ہے کہ ملتِ حنفیہ کی سب سے بڑی مصیبت گمراہی پھیلانے والے لالچی وجود ہے۔ ہمارے آقا اور مولیٰ حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں جو عظیم فتنے پیدا ہوں گے، ان کیلئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشن گوئی کی تھی۔ اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اُمت میں کئی جھوٹے اور بدبخت لوگ ایسے فتنے پیدا کریں گے جس پر ایمان لاکر سینکڑوں اور ہزاروں افراد پل بھر میں ایمان سے محروم ہو جائیں گے، لیکن افسوس ایسے افراد پر ہوتا ہے کہ مخبر صادق کی ایسی کھلی پیش بندی کے باوجود کچھ افراد آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور کانوں میں روئی ٹھوس کر ہمیشہ ایسے طوفانی اور تیز فتنہ کی خوفناک ہوا میں کودتے رہے ہیں اور ڈوبتے رہیں گے۔

مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ مجھے میری اُمت کے حق میں گمراہ کرنے والوں (جھوٹے نبوت کے دعویداروں) کی جانب سے بہت ہی کھٹکا ہے۔ میری اُمت میں ایسے کذّاب (نبوت کے جھوٹے دعویدار) تیس ہوں گے جس میں سے ہر ایک ایسا دعویٰ کریگے کہ "وہ خدا کا پیغمبر ہے" حقیقت میں "میں اللہ کا آخری پیغمبر ہوں اور میرے بعد کوئی پیغمبر ہونے والا نہیں"۔

حدیث کی مشہور اور تسلیم شدہ کتب بخاری اور مسلم میں تسلیم شدہ صحیح حدیث ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اور قیامت برپا ہونے سے پہلے کے درمیان تیس کے قریب نبوت کے جھوٹے دعویدار ظاہر ہوں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک تیس دجّال ظاہر نہ ہوں گے، جس میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ "وہ اللہ کا پیغمبر ہے"۔

عام طور پر اگر حساب کیا جائے تو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے افراد کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہوگی کیونکہ کوئی مہینہ، کوئی سال ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں پانچ سات برساتی نبی ظاہر ہونے کی خبریں سنتے نہ ہوں، لیکن انبیاء کے سرتاج خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف تیس جھوٹے دعویدار ہونے کی آگاہی فرمائی تھی۔ یہ پیشن گوئی کسی شہر کے ایک کونے میں بیٹھ کر دعویٰ کرنے والے کیلئے نہیں کی تھی لیکن ایسے کذاب کے متعلق ہے کہ جس کے اثرات دنیا کے وسیع علاقے پر ہونے والے ہوں، جس سے لاکھوں افراد متاثر ہوتے ہوں، اس قسم کے کذاب کی تعداد تیس تک نہیں پہنچی ہے۔ رہا یہ سوال کہ اب تک ایسے بدنام اور نبی ہونے کے جھوٹے دعویداروں کی تعداد کتنی ہوئی ہے جنہوں نے دنیاوی دولت و حکومت حاصل کرنے کیلئے لاکھوں افراد کو زندیقی اور دہریت کی تعلیم دی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے کذاب کی تعداد مشکل سے بیس بائیس ہوئی ہے جنہوں نے دنیا کے وسیع علاقے پر حکومت یا دولت کیلئے بڑے پیمانے پر گمراہی پھیلائی ہے، اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ دنیا کے تخت پر ابھی ایسے دجّال اور کذابوں کا ظاہر ہونا باقی ہے جن کی تعداد آٹھ یا دس ہے۔ جس سے اُمت کو واسطہ پڑنے والا ہے۔ اللہ پاک ایسے فتنے سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔

شہنشاہ اکبر سے پہلے جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار ظاہر ہوئے تھے انہوں نے اللہ کا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا ان کے یہ دعوے بالکل جھوٹے تھے، ان کذابوں کے نام تاریخ کے ورقوں میں محفوظ ہیں، اکبر کے دورِ حکومت میں اس کے مشیروں نے کئی قسم کے دعوے کئے تھے اور جو مکمل طور پر جھوٹ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بہکانے والے بھی تھے، ایک منظم منصوبے کے تحت اکبری دور کے دنیا پرستوں نے شروع میں ایک جاہل یعنی اکبر کو مہدی بنا دیا، اس کے بعد اکبر کو مسیح کا لقب دیا اور اس کے بعد انہوں نے اُسے ملح الموول الہام یعنی اس پر پیغمبروں کی طرح وحی نازل ہوتی ہے، یہ ظاہر کرکے اُسے ایک نیا دین بنانے کی رہنمائی کی۔ اسی طرح وہ نیا دین، دین الٰہی بنا۔ اس حقیقت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کا شمار بھی نبوت کے جھوٹے دعویدار میں ہوتا ہے۔ اکبر کی وفات کو تقریباً چار سو سال ہو چکے ہیں پھر بھی اس کے پیدا کئے ہوئے نئے دھرم کے اثرات آج بھی کم و بیش نظر آتے ہیں۔

عظیم شہنشاہ کے اٹھائے ہوئے خوفناک فتنہ کے متعلق اس چھوٹی سی کتاب میں ان فتنوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے جس کی تصویر پر کئی قسم کی دھول چڑھی ہوئی ہے، کچھ لوگوں کو یہ پسند نہیں آئیگی، لیکن ہمیں کسی کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی بالکل پرواہ نہیں، تاریخ کے اوراق سے چن چن کر ایسی حقیقتوں کو یہاں پیش کیا گیا ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہم نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل قابلِ اعتماد تحریر شدہ کتب سے استفادہ کیا ہے:۔

(۱) اخبار الاخیار (۲) اشغول لمعات (۳) اکبر نامہ (۴) الاحکام السلطانیہ (۵) انفاسل عارفین (۶) تاریخ فیروز شاہی (۷) تاریخ فرشتہ (۸) تذکرۃ الابرار والاشرار (۹) تذکرہ مجدد الف ثانی (۱۰) مکتوبات امام ربانی (۱۱) منتخب التاریخ

(۱۲) Akber the great (۱۳) Religious Policy of Akber (۱۴) In the British Musium London ۔

ہندوستان کے شہنشاہ اکبر کے پیدا کئے ہوئے، اس بڑے فتنے میں اس دور کے کئی نام نہاد علماؤں نے ساتھ دیا تھا، بلکہ یوں کہا جائے تو بالکل غلط نہ ہوگا کہ وہ نام نہاد علماء اسے بے راہ روی کے طرف لے گئے تھے۔

دنیا کی پیدائش سے اب تک قدرت کا اصول رہا ہے کہ ہر فرعون کیلئے اللہ نے موسیٰ کو تخلیق کیا، نمرود مردود کیلئے خلیل اللہ کو پیدا کیا، اسی طرح اکبری دھرم کو بے نقاب کرنے کیلئے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ظاہر کیا۔ اس نے ظالم اور جابر شہنشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کیا اور اکبر کے دین الٰہی کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے جوانمردی ظاہر کرکے حق کا حق ادا کیا، پاک پروردگار ان کی قبر مبارک پر رحمت کی بارش کرتا رہے، اس دعا کے علاوہ دوسرے کون سے الفاظ ہمارے پاس ہیں؟

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشن گوئی مکمل ہونے کیلئے اب بھی کچھ کذاب آنے والے ہیں، اس کے بعد قیامت آئے گی۔ اس لئے ہمیں مسلسل دعا کرتے رہنا چاہئے کہ پاک پروردگار! ہمیں ایسے فتنوں سے محفوظ رکھ، ایمان و سلامتی دے اور تیرے محبوب کے غداروں کی سازشوں سے بچانا جو اسلامی لباس، اسلامی نام اور اسلام کی ہمدردی کے جال لے کر بھولے بھالے اور معصوم مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کی ہندوستان پر پورے پچاس سال تک حکومت رہی تھی۔ اس نے دورِ حکومت کے دوران بہت سے فلاح و بہبود کے کام انجام دیئے۔ اس نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی جو بالکل نیا دین تھا اور اس کے اصول عجیب و غریب تھے۔ اس دین پر اپنی عوام کو لانے کیلئے اس نے خوب کوشش بھی کی تھی، اس نے دین الٰہی کا منصوبہ اس لئے بنایا تھا کہ لوگ اس کو شہنشاہ سے زیادہ اوتار اور پیغمبر سمجھیں، لیکن اس کو نہ تو اوتار کی حیثیت حاصل ہوئی اور نہ تو اس کو پیغمبر کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

ایک اور بات معلوم ہوئی ہے کہ جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی تب انگریز وائسر وئی لارڈ ماؤنٹ بیٹن سات اگست کے روز کراچی آئے تب اس کی اور محمد علی جناح کے درمیان ملاقات ہوئی تب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جناب جناح کو مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے ملک کی اقلیت کے ساتھ اکبر اعظم جیسا سلوک کریں گے، جناح نے جواب میں کہا تھا کہ ہمارے پاس پیغمبر اعظم کے اقوال اور عمل موجود ہیں جس میں اقلیت کیساتھ سلوک کرنے کے اعلیٰ اصول بتائے گئے ہیں اس لئے ہمیں اس میں کسی اکبر اعظم کی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسٹر جناح کے اس جواب سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کافی مایوسی ہوئی تھی لیکن جناب جناح کو اس کی پرواہ نہ تھی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اکبر کو مغل اعظم بنا کر پیش کرنے والے انگریز ہی تھے۔ انہوں نے اکبر کو یہ رُتبہ اور حیثیت ان کی اپنی سیاسی ضروریات اور اپنے مفادات اور حفاظت کیلئے دی تھیں، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایسی نشر و اشاعت سے ہندو اور مسلمانوں کو لڑا کر حکومت کرنا آسان تھا، اکبر کا ایجاد کردہ دین الٰہی اس کی لاش کے ساتھ دفن ہو گیا، آج اس کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہا۔

جن لوگوں نے سکندر (فتح پور سیکری) جا کر دیکھا ہے اس کے قول کے مطابق اکبر کی بنی ہوئی قبر کے آس پاس جگہ جگہ دھول کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، اس جگہ ویرانی اور خاموشی چھائی ہوئی ہے، وہاں جاتے ہوئے کسی بھی انسان کو کوفت محسوس ہوتی ہے یہ اس بات کی گواہ ہے کہ جلال الدین محمد اکبر کے ساتھ قدرت نے کیا سلوک کیا ہے۔ (فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ)

خادم اہل سنت

حاجی عبد الغفار حاجی عمر چولا "قلم باز"، جام نگر

تاریخ ۷۔۸۔۴۔۲۰

اکبری دھرم

دورِ اکبری سے پہلے کے حالات

سیاسی و معاشرتی حالات

شمس سراج عفیف کی روایت ہے کہ ایک دن سلطان فیروز شاہ تغلق کے محل کے قریب ایک اللہ کے "مجذوب ولی" (درویش) جمنا ندی کے ساحل پر وضو کر رہے تھے، جب وہ وضو کر کے کھڑے ہوئے تو انہوں نے شاہی محل کی طرف اشارہ کر کے کہا "تو جانتا ہے کہ اس محل میں کون ہے؟" اس کے بعد خود ہی جواب دے کر کہا" اس محل میں وہ انسان رہتا ہے جس نے دنیا بھر کے فتنے اپنے قدموں تلے دبا رکھے ہیں، جس دن یہ انسان فانی دنیا سے کوچ کرے گا، اس دنیا والے اس کی قدر سمجھیں گے"۔ اس درویش کا اندیشہ بالکل درست ثابت ہوا۔ دہلی کے سلطان فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد مرکزی حکومت کبھی بھی پائیدار نہ رہی اور دس سال کے عرصے میں سلطنت دہلی پر سات بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کے نتیجہ میں خاندانِ تغلق کا خاتمہ ہو گیا۔ اس دوران سلطنت اتنی کمزور ہوئی کہ دہلی کے سلاطین کا رُعب اور دبدبہ خاک میں مل گیا اور بادشاہ (خداوند عالم) کی حکومت دہلی کے ارد گرد کے علاقے تک ہی محدود ہو کر رہ گئی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے ایک جانشین محمود کے متعلق آج تک کہاوت مشہور ہے:

حکم خداوندیِ عالم   از دہلی تا پالم

تیمور بھارت پر فتح کا پرچم لہرا کر واپس چلا گیا اور حکومت خضر خان کے حوالے کر گیا۔ خضر خان اور اس کے بعد حکمرانوں کی حکومت صرف اُنتیس سال رہی، اس کے بعد سیدوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اس دور میں حکومت کی کمزوریوں کی وجہ سے صوبائی اور ریاستی حکومتیں مزید مستحکم ہوئیں اور غیر مسلم مزید طاقتور ہوئے۔ پنجاب میں کھوکھروں نے بڑی تباہی مچائی اور وِجی نگر میں "گمنام غیر مسلم" میدان میں آئے۔ سیدوں کی کمزوری کا فائدہ اُٹھا کر بہلول لودھی نے دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کوشش کر کے دہلی کی سرحد کو پالن پور سے جون پور تک پہنچا دیا۔ بہلول لودھی کی وفات کے بعد سلطان سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ یہ وہ دور تھا کہ جب مسلمان مستحکم ہو سکتے تھے، لیکن سلطان سکندر لودھی کی وفات کے بعد پھر سے فتنوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا۔ اس کے جانشین ابراہیم لودھی کے نو سالہ دورِ حکومت میں پٹھانوں کے باہمی اختلافات، سیاسی کشمکش اور داؤ پیچ کی وجہ سے حکومت مزید کمزور ہو گئی، علاوہ ازیں ابراہیم لودھی میں دور اندیشی کی بڑی کمی تھی۔ اس دوران مغل بادشاہ ظہیر الدین محمد بابر نے حملہ کر دیا۔ ابراہیم لودھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور بابر نے دہلی پر اپنا پرچم لہرا دیا۔

شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر نے ہندوستان پر صرف چار سال حکومت کی۔ اس دوران جگہ جگہ اندرونی انتشار ہوتے رہے جس کے باعث شہنشاہ بابر نظام حکومت پر مناسب توجہ نہ دے سکے۔ ان کا بیٹا ہمایوں بڑا عیش پسند تھا، جس کے باعث ہندوستان پر پٹھانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ شیر شاہ سوری کو اس وقت حکومت ملی جب اس کی زندگی کی شام ہونے والی تھی اور اس کے جانشین کے دورِ حکومت میں دربار سوریوں کی سازشوں کا مرکز بن گیا۔ ہمایوں نے اس حالت کا فائدہ اُٹھا کر ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کر لیا، لیکن اس کی زندگی نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ حکومت کے نظام کو درست کر سکے۔ اس کے انتقال کے بعد شہنشاہ اکبر دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بھارت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور یہ ریاستیں وقتاً فوقتاً باہم جنگیں لڑتی رہتی تھیں۔

اس دور کے مختصر اذکر سے ہمارا مقصد قارئین کو یہ باور کرانا تھا کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی وفات سے شہنشاہ اکبر کی تخت نشینی تک تقریباً ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں بھارت میں کوئی مستحکم اور مضبوط حکومت قائم نہ ہو سکی اور مسلمان کے اخلاقی زوال، روحانی تنزل، عمل کے بغیر کی زندگی اور صراطِ مستقیم سے بے راہ روی نے زور پکڑ لیا تھا۔

مذہبی حالات: دورِ اکبری سے پہلے کا

یہ وہ زمانہ ہے جب خواجہ معین الدین چشتی ، قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، سلطانِ مشائخ نظام الدین اولیاء اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم جیسے عالی مرتبت بزرگ ابھی ہند میں پیدا نہیں ہوئے تھے، جو مسلمانوں کی رہنمائی کرسکتے اور نہ ہی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا کوئی عالم پیدا ہوا تھا، جو اپنے زورِ قلم سے مسلمانوں کو بیدار کرسکتا۔ کچھ صوفی بزرگانِ دین تو تھے لیکن وہ مسلمان قوم میں اتنے مقبول نہیں ہوئے تھے کہ اپنا اثر پیدا کرسکیں۔ اس وقت کچھ ایسے علماء تھے جو "شریعت کے علم" کے بجائے ہندوؤں کی وِدْیا (علم) سے متاثر تھے۔

اخلاقی تنزل اور روحانی گراوٹ کے اس دور میں "وحدت الوجود" کا نظریہ خانقاہوں سے نکل کر گلیوں اور بازاروں میں پھیل گیا تھا، جو بقول ڈاکٹر اقبال مسلمانوں کیلئے زہر قاتل ثابت ہوا تھا۔ اسی فکر کی وجہ سے مسلمانوں کی بے عملی زندگی کی شروعات ہوئی جو ان کو زوال کی طرف لے گئی، نظریہ وحدت الوجود کے عام ہونے سے ملک میں جگہ جگہ "انا الحق" کی صدائیں بلند ہونے لگیں، کئی صوفیوں کو پتھروں اور درختوں میں "ذاتِ حق" کا جلوہ نظر آنے لگا، اس دور میں جگہ جگہ "تسکین قلب" کی جگہ "بدمستی" نے لے لی۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں بے ڈھنگے مجذوب (پاگل) نظر آنے لگے۔ اس زمانے میں مجذوبوں نے منفی کردار ادا کیا۔ تاریخ شاہی، مخزن افغانی اور "اخبار الاخیار" کتب کے اوراق ان کی گواہی دیتے ہیں کہ مجذوب کی بڑی تعداد عشق مجازی میں مبتلا تھی اور ان کے تصوف میں عجیب و غریب عقائد تھے، انہوں نے ماحول کو گندا کرکے مسلمانوں کو بے عملی کی راہ پر لگادیا۔ اس زمانے میں ایسے علمائے سوء پیدا ہوئے، مثلاً ملک محمد جیشی، رزق اللہ مشتاقی، میاں طواہا اور محمد غوث گوالیاری وغیرہ، جنہوں نے اسلامی علم کی بجائے غیر اسلامی افکار سے متاثر ہو کر کتابیں تصنیف کیں، اس دور کی شائع شدہ کتب میں واقعات مشتاقی، افسانۂ شاہی اور تاریخ داؤدی مشہور اور قابلِ ذکر ہیں۔ ان کتب کے اوراق میں ایک بگڑا ہوا ماحول نظر آتا ہے۔

باطل تحریکیں

اس زمانے کے تنزل اور بربادی نے مہدوی اور بھگتی تحریکوں کو جنم دیا۔ جس نے پورے ملک کو گھیر لیا۔ اگر ان تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے تو بآسانی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ تحریکیں مسلم معاشرے کی مذہب سے دوری، عملی زندگی سے لاپرواہی اور اسلامی عقائد کے بالکل خلاف تھیں۔

اباحتی تحریک

مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے باہمی میل ملاپ سے ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا۔ یہاں تک کہ برہمن قرآن حکیم اور توحید کے راز کے درس دینے لگے اور غیر مسلم مسلمانوں کے علم کی تعلیم دینے میں اتنے سرگرم عمل ہوگئے کہ ان کی کتب کی نشرواشاعت کا طوفان برپا ہوگیا۔ تحریکوں میں کفر اور اسلام کے سمندروں کے متضاد بہاؤ آگے جاکر باہم مل جاتے تھے۔

اس دور میں ایک باطل فرقہ جس کا نام اباحتی تھا اس کے پھیلنے کی رفتار بڑی تیز ہوگئی تھی، ہندوستان کے وسیع علاقے میں اسکے باطل عقائد کو پھیلانے کیلئے لاتعداد مبلغ برساتی مینڈکوں کی طرح پھیل گئے۔ سلطان فیروز تغلق نے اباحتی فرقے پر پابندی لگادی اور قانون بنادیا کہ اگر کوئی بھی شخص اباحتی معلوم ہو تو اسے سزائے موت دیدی جائے۔ اس قانون کے مطابق لاتعداد اباحتی افراد کو سزائے موت بھی دی گئی مگر پھر بھی فیروز شاہ تغلق کی تلوار سے بچ جانے والے اس باطل فرقہ کو پھیلانے میں مصروف رہے۔

پاکی تحریک Puration Movement

مسلمانوں کی غفلت اور اخلاقی زوال اور مذہب سے دوری نے غیر مسلموں کو اچھا موقع دیا، انہوں نے پاکی کی تحریک شروع کردی اور مسلمانوں کو باقاعدہ مرتد بنانے کا کام شروع کردیا۔ اس دور کی تاریخی کتب میں ایسے واقعات کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ طبقات اکبری میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ کالپی میں نصیر خان نامی ایک حکومت کے عہدیدار نے زندیقی اور الحاد کو اپنالیا تھا۔ اسی طرح نظام الدین احمد کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ لکھنوتی کا حاکم احمد خان غیر مسلموں کی تحریک میں پھنس کر مرتد ہوگیا تھا۔ ”افسانۂ شاہاں“ کے مصنف نے نقل کیا ہے کہ بہار کے ایک ہندو راجا نے اپنے اثر و رسوخ سے علاقے میں عثمانی نسل کے مسلمانوں کو پاکی تحریک کے تحت مرتد بنادیا تھا اور جو مرتد ہونے سے انکار کرتا اس کو سزائے موت دے دی جاتی۔

مسلمانوں کی ہجرت

کتاب "لطائف قدسی" میں ہے کہ اَوَدھ کے مشہور قصبہ ردولی میں غیر مسلموں کے اقتدار اعلیٰ کی ریشہ دوانی سے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وہاں سے ہجرت کرنی پڑی۔ راجستھان کے رانا سانگا نے، دہلی کی حکومت کی کمزوری کا فائدہ اُٹھا کر، ناگور اور اجمیر کی قدیم مسلم آبادیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی جس کی وجہ سے مسلمانوں نے ہجرت کرکے احمد آباد میں پناہ لی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بیان کیا ہے کہ ہیمو بقال نے اپنی ریاست میں اسلام کے لاتعداد آثارِ قدیمہ مسمار کر دیئے تھے۔ اسی ریاست میں ایک سید خاندان رہائش پذیر تھا۔ انہوں نے ایک بچہ کا عقیقہ کیا بدنصیبی سے کوئی چیل یا کتے نے ایک ہڈی اُٹھا کر ایک ہندو کے گھر کے پاس پھینک دی، اس عام سے واقعے سے مشتعل ہو کر ہیمو بقال نے سیدوں کے پورے خاندان کو ذبح کر دیا۔ ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمان اپنی حکومت ہونے کے باوجود غیر مسلموں سے محفوظ نہ تھے۔ شہنشاہ اکبر کی تخت نشینی کے بعد ملک کو تو استحکام نصیب ہوا لیکن مسلمانوں کا اخلاقی زوال اور روحانی تنزل دور نہیں ہوا۔ اس پستی سے نکلنے کیلئے ملک کو شہنشاہ اکبر کی ضرورت نہ تھی بلکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے مردِ مجاہد کی ضرورت تھی۔

اکبر کے ابتدائی مذہبی حالات

اکبر بطور سچا مسلمان

شہنشاہ اکبر اپنے ابتدائی دورِ حکومت میں علماء اور مشائخ کی صحبت میں سچا اور پکا مسلمان تھا، اس کی مذہبی پختگی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اندازہ لگائیے کہ ۹۷۷ھ میں مرزا مقیم حسین اصفہانی شاہ کشمیر کے سفیر میر یعقوب بن بابا علی کو لے کر اکبر کے دربار میں آیا تو اکبر نے علماء سے فتویٰ لے کر اہلِ تشیع ہونے کے الزام میں اسے پکڑ کر قتل کر دیا تھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مشہور شیعہ عالم مرتضیٰ شہید کی ۹۷۴ھ میں وفات ہوئی اور اس کے ماننے والوں نے اس کو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پہلو میں دفن کر دیا۔ اس پر سنی مسلمانوں میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔ انہوں نے صدر، قاضی اور شیخ الاسلام سے شکایت کی، اسی پر انہوں نے فتویٰ دیا کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سنی مسلمان تھے اور میر مرتضیٰ شریفی رافضی تھا، اس لئے ساتھ دفنانا غلط ہے۔ اس فتوے کی روشنی میں اکبر نے اس کی لاش کو الگ دفنانے کا حکم جاری کیا اور میر مرتضیٰ شریفی کی نعش کو وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفنا دیا۔

اکبر کے مشیر بھی راسخ العقیدہ سنی تھے، مخدوم ملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری نے "مہدی فرقہ" کے مقلد کو کوڑے مار مار کر قتل کر دیا تھا، اکبر کے صدر الصدر شیخ عبد النبی بھی شیعوں کے معاملے میں نہایت ہی سخت تھے، انہوں نے میر حبشہ کو رافضی اور خضر خان سردانی کو اللہ کے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کے سبب سزائے موت کا حکم دیا تھا۔

اولیاء کرام سے عقیدت

شہنشاہ اکبر کو اولیاءِ کرام سے بھی بے حد عقیدت تھی یہ عقیدت مندی اس کو والدہ کی جانب سے وِرثے میں ملی تھی، اس کی والدہ حمیدہ بانو مشہور صوفی شاعر شیخ احمد جام "زِدہ پر" کی اولاد میں سے تھیں، جن کا یہ مشہور شعر ہے۔

کُشْ گانِ خنجرِ تسلیم

راہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس شعر کو محفل سماع میں سن کر خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح اپنی جسم خاکی سے پرواز کر گئی تھی۔

یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ اکبر کی فطرت میں بزرگوں کیلئے عقیدت کا روشن جذبہ تھا۔ کئی بار اس نے پاک پٹن میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے مزار مبارک پر عقیدت کے پھول چڑھائے تھے، دہلی میں سلطان المشائخ خواجہ اولیاء کے مزار پر اکثر فاتحہ خوانی کیلئے جاتا تھا، اجمیر میں حضور خواجہ معین الدین حسن سنجری کے روضہ مبارک پر ہر سال حاضری دینے جاتا تھا۔ کئی دفعہ یہ بھی ہوا کہ شہنشاہ اکبر نے دہلی سے پیدل چل کر اجمیر میں خواجہ معین الدین کے مزار پر حاضری دیں۔ ۹۸۲ھ میں اس نے بنگال کے حاکم کو شکست دی تو اکبر نے مالِ غنیمت میں حاصل شدہ بہت بڑا نقارہ حضور خواجہ معین الدین چشتی کے روضہ مبارک پر نذرانہ کے طور پر بھجوادیا تھا۔ جب خان زمان نے ۱۵۶۵ء میں بغاوت کی تو اس کے مقابلہ پر جاتے وقت دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر دعا کرانے کیلئے حاضری دی تھی۔ ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ سلیم (جہانگیر) کی ولادت پر اکبر بزرگانِ دہلی کے مزارات پر فاتحہ خوانی کیلئے گیا تھا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

شریف الدین حسین کی بغاوت کے دوران، اکبر گھومتا گھومتا "ماہم انگہ" میں تعمیر کئے ہوئے "مدرسہ خیر المنازل" کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اُس باغی کے ایک ایجنٹ جس کا نام نولاد تھا، اُس نے مدرسہ کی چھت سے تیر چلایا جو اکبر کو ہلاک کرنے کیلئے کافی تھا مگر اکبر کو معمولی سے زخم آئے جو کچھ روز کی مرہم پٹی سے بھر گئے۔ اکبر اس اچانک حملے سے بچ جانے کی وجہ دہلی کے بزرگانِ دین کی کرامت کہا کرتا تھا۔

اکبر دہلی کے بزرگانِ دین کے مزاروں کی زیارت کیلئے نکلتا تو سب سے پہلے وہ اپنے والد کے مقبرے پر فاتحہ خوانی کیلئے جاتا۔ اس مقبرہ میں سینکڑوں کی تعداد میں درویش اور حافظ رہتے تھے، جن کے قیام و طعام کے تمام اخراجات سرکاری خزانے سے ادا کئے جاتے تھے۔ ایک دفعہ اکبر دہلی میں تھا، حسین خان اپنی معافی کیلئے حاضر ہوا، مگر اکبر نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور شاہباز خان کو حکم دیا کہ حسین خان کے مال و ملکیت کو ضبط کر کے، اس کو ہمایوں کے مقبرے میں رہنے والے فقراء، درویش اور حافظوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

اکبر کے زمانے میں شیخ نظام نار نولی حیات تھے اور ان کی پرہیزگاری کا چرچہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، جب اکبر اجمیر شریف جاتا تو وہ ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا، اکبر ۹۸۰ ھ میں اجمیر میں سید حسین کھنگسوار کے مزار پر فاتحہ خوانی کرتے بھی دیکھا گیا تھا، اس واقعہ کے کچھ عرصے کے بعد وہ ہانسی میں حضرت قطب جمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر اپنا سر جھکائی ہوئی حالت میں دیکھا گیا تھا، صوفیائے کرام سے عقیدت کے باعث اُس نے فتح پور سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کے قریب نیا دارالحکومت تعمیر کرایا تھا۔

حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اکبر کو جو عقیدت تھی اس کے باعث اُس نے جو روضہ ان کا تعمیر کرایا تھا۔ وہ اکبر کی ان سے بھرپور عقیدت مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اُس کو فرزند عطا کیا تھا، اس لئے اکبر نے اپنے بیٹے کا نام سلیم رکھا، بیٹے کی ولادت سے پہلے اکبر، مہارانی جودھا بائی کو شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس دعا کیلئے اکثر بھیجتا رہتا تھا۔ شاہزادہ دانیال کی پیدائش سے پہلے، اکبر نے اپنی والدہ کو اجمیر، خواجہ اجمیر کے سجادہ نشین، شیخ دانیال کے پاس دعا کیلئے بھیجا تھا، اسی لئے اس نے اپنے بیٹے کا نام شیخ دانیال کے نام پر دانیال رکھا تھا۔

جب شاہزادہ سلیم نے ہوش سنبھالا اس وقت محدث مولانا میر کلاہروی نے اکبر سے درخواست کی کہ وہ شاہزادہ کی رسم بسم اللہ ادا کرے۔ اس پر شاہزادہ سلیم کو بادشاہ اور کچھ درباریوں کی موجودگی میں رسم بسم اللہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الٓمٓ، القرآن" پڑھوایا اور شاہزادہ سلیم کو تعلیم دینے کا کام مولانا کو ہی سونپ دیا۔ جب شاہزادہ سلیم پڑھنے کے قابل ہوا تو اکبر نے ان کو شیخ عبدالنبی کے گھر جا کر حدیث کی تعلیم لینے کو کہا۔ شہنشاہ اکبر کو شیخ عبدالنبی سے بڑی محبت اور عقیدت تھی، اکثر اوقات ان کے گھر درسِ حدیث کے وقت آکر بیٹھتا تھا اور اپنا سر جھکا کر درسِ حدیث کو غور سے سنتا تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہل علم کے گھر جا کر ان کی جوتیاں سیدھی کرنا وہ سعادت سمجھتا تھا۔

ملا عبدالقادر کی روایت ہے کہ میں ایک دفعہ سفر سے آکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، گفتگو کے دوران اکبر نے مجھ سے پوچھا کہ تم شیخ عبدالنبی سے مل کر آئے ہو یا نہیں؟ میں نے کہا کہ میں سیدھا آپ کی خدمت میں آیا ہوں، اس پر اکبر نے کہا، ابھی جاؤ، اُن سے ملو اور میری طرف سے ان کو تحفۃً یہ شال دینا اور کہنا کہ یہ شال خاص آپ کیلئے شاہی کارخانے میں بنائی گئی ہے۔

ایک دفعہ امراء، علماء اور مشائخ، اکبر کے یوم پیدائش پر مبارکباد دینے کیلئے آئے، اُس وقت اکبر زعفرانی رنگ کا لباس پہنے بیٹھا تھا، شیخ عبدالنبی نے اس لباس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور دوسرا لباس پہننے کی تاکید کی، شیخ نے اپنی تاکید کے وقت ایسے خوش کا اظہار کیا کہ ان کے عصا کا کونہ اکبر کے لباس سے لگ گیا۔ اس وقت اکبر چپ رہا، لیکن جب واپس حرم میں آکر اس نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی تو اس کی والدہ نے کہا کہ بیٹا! تم ان کی بات پر ناراض کیوں ہو؟ تاریخ میں لکھا جائے گا کہ ایک غریب بزرگ نے بادشاہ کو عصا مارا اور بادشاہ صرف شریعت کے ادب کی خاطر خاموش رہا۔

ورثے میں ملی عقیدت

حضرت محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار بھارت کے قابلِ ذکر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے، شہنشاہ بابر نے بھی اپنی کتاب "تزکِ بابری" میں ان کا ادب کے ساتھ ذکر کیا ہے، ہمایوں کو بھی ان سے اور ان کے بھائی شیخ بہلول سے بڑی عقیدت تھی، شیر شاہ سوری نے جب ہمایوں سے حکومت چھین لی تو اس نے حضرت غوث محمد گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس وجہ سے حضرت محمد غوث گوالیاری وہاں سے گجرات ہجرت کر گئے، وہاں عوام نے انکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی عزت سے پیش آئے۔ پندرہ سال تک گجرات میں جلاوطنی کی حیثیت سے رہے، اس کے بعد ہمایوں کا پھر دہلی پر قبضہ ہو گیا تو حضرت محمد غوث گوالیاری اپنے خلیفہ اور مریدوں کو ساتھ لے کر گوالیار تشریف لائے، ہمایوں ان کو دل و جان سے چاہتا تھا اور ان سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، اکبر کے دل میں بھی ان کیلئے بھرپور عقیدت تھی، اکبر نے ان کی عمر بھر کے گزارے کیلئے ایسی جاگیر پیش کی تھی جس سے ایک کروڑ دام (سکۂ رائج الوقت) کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ انکی وفات کے بعد ان کے فرزند شیخ ضیاء الدین فتح پور سیکری آتے تھے اس کیلئے اکبر نے عبادت خانے میں ان کے بیٹھنے کیلئے ایک خاص نشست بنوائی تھی۔

شہنشاہ اکبر کے بزرگوں کو نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ ناصر الدین عبید اہراری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بے حد عقیدت تھی۔ ابن احمد راضی نے لکھا ہے کہ ترکستان، فرغانہ اور خراسان کے گرد و نواح میں مقیم اکبر کے بزرگ ان کو دل و جان سے چاہتے تھے، سلاطینِ زمانہ اور خواتینِ النافذ الفرمان اسی جذبے کے تحت ان کی خدمت کرتے تھے۔ مرزا حیدر دوگلات کا قول ہے کہ بادشاہ اور ان کے گھر کی خواتین ان کی محفل میں جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی محفل میں اکبر کے بزرگ سلطان محمد خان بیٹھے تھے، ایسے میں آتش دان سے چنگاریاں اڑ کر چٹائیوں پر گریں۔ چٹائیوں نے آگ پکڑ لی، سلطان محمد خان فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر سے اپنے پلو میں مٹی بھر کر لایا اور اپنے ہاتھ سے آگ کو بجھایا۔

شہنشاہ بابر کے نانا یونس خان اپنی آخری عمر میں توبہ کر کے ان کے مرید ہو گئے، ظہیر الدین بابر کے دادا سلطان ابو سعید ان کی خدمت میں پیدل چل کر جاتے تھے، ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، خواجہ نصیر الدین کا جاہ و جلال بادشاہ سے زیادہ تھا، اُس علاقے کے سلاطین ان کی موجودگی میں دم مارنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، بابر کے والد شیخ عمر مرزا کو بھی شیخ نصیر الدین سے بے حد عقیدت تھی، جب بابر کی ولادت ہوئی تو شیخ عمر مرزا خواجہ نصیر الدین کی محفل میں بیٹھے تھے، انہوں نے ان سے عرض کی کہ وہ نومولود بچے کا نام تجویز کریں، اس پر خواجہ نے نومولود بچے کا نام ظہیر الدین محمد رکھا۔ ظہیر الدین محمد بابر کے عقیقہ کی تقریب میں شرکت کی درخواست پر خواجہ صاحب نے اس میں شرکت کی تھی۔

بابر کی سوانح عمری "تزکِ بابری" اس بات کی گواہ ہے کہ شہنشاہ بابر کو خواجہ صاحب سے بڑی ہی عقیدت تھی، تزکِ بابری میں جہاں جہاں ان کا ذکر ہے وہاں بابر کے قلم نے عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ خواجہ صاحب سے نسبت کے باعث بابر کو سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت تھی، اسی عقیدت کے باعث بابر نے اپنی بیٹی گل رُخ بیگم کی شادی خان زادہ نور الدین محمد سے کر دی تھی، یہ بزرگ نقشبندیہ سلسلہ کے سردار خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی اولاد میں سے تھے۔ اس مبارک موقع پر سلیمہ سلطان پیدا ہوئی جس کا نکاح سپہ سالار بیرم خان کیساتھ ہوا تھا، بیرم خان کی وفات کے بعد خواجگانِ نقشبندیہ کے ساتھ نسبت قائم کرنے کی خاطر اکبر نے سلیمہ سلطان کا نکاح نقشبندیہ سلسلے کے بزرگ سے کیا تھا، اکبر کی ایک بہن سکینہ بانو بیگم کا نکاح نقشبندی خاندان کے ایک اور بزرگ خواجہ حسن نقشبندی کے ساتھ ہوا تھا، اکبر کی دوسری بہن بخشی بیگم کا نکاح خواجہ شرف الدین حسین کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ بزرگ خواجہ ناصر الدین عبید احراری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند خواجہ یحییٰ کی اولاد میں سے تھے۔ جب خواجہ شرف الدین حسین کے والد خواجہ محی الدین ہندوستان آئے تو شہنشاہ اکبر نے ان کا شاندار استقبال کیا اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اسی طرح ایک دفعہ ناصر الدین عبید احراری کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ خواجہ یحییٰ ہندوستان آئے تب اکبر نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے گزر اوقات کیلئے ایک جاگیر پیش کی اور امیر حج بنا کر مکہ بھیجا، جب وہ حج سے واپس آئے تو ان کو اکبر نے ہمیشہ کیلئے آگرہ میں رکھا۔

مذکورہ بالا واقعات سے صاف نظر آتا ہے کہ اکبر میں بزرگوں کی عقیدت مندی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

علماء اور مشائخ کا احترام و محبت

مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری اُس وقت کے جید عالم تھے، شیر شاہ سوری نے ان کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر ان کو "سندرے اسلام" کا خطاب دیا تھا۔ شیر شاہ سوری کے بیٹے سلیم شاہ ان کا دل و جان سے احترام کرتا تھا، ان کو اپنے تخت پر بٹھایا کرتا تھا، ہمایوں نے جب دہلی پر دوبارہ قبضہ کیا تو اُس نے اُن کو شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا تھا، بیرم خان نے اکبر کے ابتدائی دورِ حکومت میں سلطان پوری کیلئے سالانہ ایک لاکھ روپے کا وظیفہ مقرر کیا تھا، بیرم خان کی برطرفی کے بعد بھی اکبر نے اس وظیفہ کو جاری رکھا تھا۔

مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری سخت سُنّی عقیدہ رکھنے والے بزرگ تھے اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے وہ ہمیشہ بدعت کی برائی اور شریعت کی اشاعت میں پیش پیش رہتے تھے۔ جب کسی کے متعلق پتا چلتا کہ وہ شریعت کی پابندی نہیں کر رہا ہے یا وہ کسی باطل فرقہ کے ساتھ نسبت رکھتا ہے تو وہ اس کو فوراً بلاتے اور اس کو تنبیہ کرتے تھے، بڑے بڑے مشائخ بھی ان سے بچ نہیں سکتے تھے، ایک دفعہ ان کو خبر ملی کہ شیخ داؤد کرمانی، شیر گڑی کی خانقاہ میں ان کے مرید "یا داؤد" "یا داؤد" کا وِرد کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دہی کیلئے حاضر ہونے کا فرمان صادر کیا، جب وہ حاضر ہوئے تو مخدوم الملک نے ان سے پوچھا کہ ہمیں سننے میں آیا ہے کہ آپ کے مرید ذکر کرتے وقت "یا داؤد" کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں شیخ داؤد کرمانی نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ جس نے یہ خبر آپ کو دی ہے اُسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے مرید "یا ودود" "یا ودود" کا وِرد کرتے ہیں۔

شیخ طاہر پٹنی اُس دور کے نامور محدث تھے، مخدوم الملک کی طرح وہ بھی بد مذاہبوں کا کھلم کھلا رد کرتے تھے اور شریعت کی وسعت میں اہم کردار ادا کیا کرتے تھے، جب ان کی قوم نے مہدی فرقہ کے عقیدے کو اپنایا تو انہوں نے اپنے سر پر بندھا ہوا دستار اُتار کر فیصلہ کیا کہ جب تک ان کی قوم صراطِ مستقیم پر نہیں آجاتی تب تک وہ سر پر دستار نہیں باندھیں گے۔ جب ۹۸۰ھ میں اکبر نے گجرات فتح کیا تب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! آپ کسی بات کی فکر نہ کیجئے اور نہ غمگین ہوں، دین کا غم کھانے کیلئے ہم موجود ہیں یوں کہہ کر اس نے حضرت شیخ طاہر پٹنی کے سر پر دستار باندھی۔

اکبر کی حکومت میں گجرات میں ایک اعلیٰ درجے کے صوفی رہتے تھے ان کا نام شیخ سری تھا، جب اکبر نے کشمیر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور فتح کی دعا کرنے کی گزارش کی۔ اس پر صوفی شیخ سری نے دعا کی اور اکبر نے کشمیر فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پندرہ سو بیگا زمین ان کو نذرانے میں دی، اکبر کا یہ فرمان آج بھی گجرات میں زبان زدعام ہے۔

سید محمد میر عدیل کا بھی اچھا خاصا رُعب تھا، سید محمد میر اپنے فرائض کی ادائیگی میں شہنشاہ کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان کی تفتیش سے عام آدمی تو کیا خود اکبر بھی ڈرتا تھا، ایک دفعہ سید صاحب کی موجودگی میں جب حاجی ابراہیم سرہندی نے یہ فتویٰ دیا کہ مردوں کو لال رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے تو سید محمد میر عدیل نے اکبر کی موجودگی میں حاجی ابراہیم سرہندی پر تنقید کی تھی اور برا بھلا کہا، اتنا ہی نہیں ان کو مارنے کیلئے لاٹھی بھی اُٹھا کر ان کی طرف دوڑے تھے۔ جب شہنشاہ اکبر کا دماغ گھوم گیا اور اُس نے "کیا متعہ واجب ہے" پر تحقیق کرنے کا علماء کو حکم دیا تھا۔ اُس وقت سید محمد میر عدیل کو دہلی سے آگرہ بھیج دیا گیا تھا کیونکہ اس کو خبر تھی کہ وہ متعہ کو حرام کہیں گے۔

اکبر علماء اور مشائخ کو بڑے احترام و اکرام کی نظر سے دیکھتا تھا اور اکثر ان کی سفارش کو بخوشی تسلیم کرتا تھا۔ خان زماں نام کے سپہ سالار نے بغاوت کی تو اس کو زیر کر کے قید کر دیا، مگر سپہ سالار کے استاد میر عبد اللطف قزوینی، مخدوم الملک عبد اللہ سلطان پوری، صدر الصدر شیخ عبد النبی اور میر مرتضیٰ شریفی شیرازی وغیرہ کی سفارش کو قبول کر کے اس کا قصور معاف کر دیا تھا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اکبر اس وقت کے اُن علماء اور مشائخ کی بات کو مانتا تھا اور ان کو بالکل ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا، جو کہ شریعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

اکبر علماء اور مشائخ کی محبت میں رہ کر روزہ، نماز کا پابند ہو گیا تھا، شیخ عبد النبی کی صحبت نے سونے پر سوہاگہ کا کام کیا تھا اکبر بذاتِ خود باجماعت نماز کا بندوبست کرتا تھا، ہفتے کے سات دِنوں میں پانچ وقت کی نماز پڑھانے کیلئے اس نے سات امام مقرر کئے تھے۔ ہر سال حج کے سفر کیلئے ایک امیرِ حج مقرر کر کے اعلان کرتا کہ جس کسی کو حج بیت اللہ جانے کی خواہش ہو اس کا تمام خرچ سرکار ادا کرے گی، اس کے علاوہ اکبر امیرِ حج کے ساتھ شریفِ مکہ کیلئے قیمتی تحفے اور اہلِ حرم کیلئے قیمتی اشیاء ارسال کرتا تھا، جب حاجیوں کا قافلہ روانہ ہوتا تو اکبر خود حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر تکبیر کہتے کہتے ان کو الوداع کرنے کیلئے دور تک ان کے ساتھ جاتا تھا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اکبر کو بے حد محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت حضرت شاہ ابو تراب حج سے واپس ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ایک ایسا پتھر لائے جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "قدم مبارک" کا نشان تھا۔ اکبر کو خبر ہوئی تو ان کے استقبال کیلئے چھ میل تک پیدل چل کر گیا تھا، اکبر کو اہلِ بیت سے بھی بڑی عقیدت تھی، اُس نے اپنے بیٹوں کے ناموں کے ساتھ حسن اور حسین کے نام نامی شامل کئے تھے۔

یہ بھی اکبر کی ابتدائی زندگی کی مذہبی سوچ جو بعد میں ایسی بدلی کہ اس کا نام "اکبر" سے "اکفر" مشہور ہو گیا۔ اس نے ہندوستان کے مسلمان کے مفادات اور اسلام کو اس حد تک نقصان پہنچایا کہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کے اثرات باقی ہیں۔

اکبر کے نئے مذہبی رجحانات

عبادت خانے کی بنیاد

علماء اور مشائخ کی صحبت میں رہ کر اکبر کے دل میں مذہب سے محبت اسلامی علوم سے رغبت کے جذبات پیدا ہوئے، اس کی مجلس میں ہمیشہ "اہل اللہ" کی بحث ہوتی رہتی تھی، ایک روز گفتگو میں اس کے مشیر نے اس کو بتایا کہ بنگال کا ولی صفت حاکم سلیمان کرانی کا روزانہ کا معمول ہے کہ وہ رات کے پچھلے حصے میں ڈیڑھ سو علماء اور مشائخ کے ساتھ ساتھ تہجد کی نماز ادا کرتا تھا اور اس کے بعد فجر کی نماز تک قرآن پاک سنا تھا۔ اس کے بعد وہ ریاست کے کام کاج میں مشغول ہوتا اور عوام کے فلاح و بہبود پر خاص توجہ دیتا تھا۔ اس طرح اکبر کو بتایا گیا کہ بدخشاں کا حاکم مرزا سلیمان، صوفی منش اور درویش صفت تھا اور وہ لوگوں کو مرید بھی بناتا تھا۔ ایسی باتیں سن کر اکبر کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی ان جیسا بن کر دکھائے۔ اس کیلئے اس نے فتح پور سیکری میں شیخ عبداللہ نیازی کے حجرے کی جگہ پر عبادت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ جب وہ عمارت بن کر تیار ہو گئی تو اکبر نے علماء اور مشائخ کو وہاں آکر وعظ و نصیحت کرنے کی درخواست کی۔ وہ خود بھی جمعہ کی نماز کے بعد عبادت خانے میں جاکر بیٹھتا اور علماء و مشائخ کے ساتھ ہر ہر مسئلہ پر بحث کرتا تھا۔

اکبر رات کے وقت عبادت خانہ میں بیٹھتا اور "یاھو" اور "یاھادی" کا وِرد شروع کر دیتا پھر صبح کو وہ عبادت خانہ سے باہر نکلتا اور ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر مراقبہ کرتا تھا۔ اس عبادت خانہ کی تعمیر کا مقصد صرف قال اللہ اور قال الرسول کے ذکر کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ تھا، اسی جذبے کے تحت اس نے علماء اور مشائخ کو وہاں آنے کی دعوت دی یہاں تک کہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کے فرزند شیخ ضیاء الدین کو بھی وہاں اصرار کر کے بلایا تھا۔

اکبر کی مذہب سے اتنی رغبت دیکھ کر بعض بڑے بڑے علماء نے اکبر سے قُرب اور اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیں اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ اکبر نے ان کے جھگڑوں کے خاتمہ کیلئے حکم دیا کہ امراء مشرق کی طرف، سادات مغرب کی طرف، علماء جنوب کی طرف اور مشائخ شمال کی طرف مسندوں پر براجمان ہوں۔ اس ترتیب کے باوجود ان کی نگاہیں آپس میں ٹکراتی رہتی تھیں۔

جب بحث و مباحثہ ہوتا تو علماء اپنی قابلیت دکھانے کیلئے مختلف مسائل سے ایک دوسرے سے اُلجھنے لگتے اور یہ جھگڑے بڑھتے بڑھتے سنگین تر ہوتے گئے۔ اس پر اکبر نے اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور عبدالقادر بدایونی کو کہا کہ جو کوئی بھی اس مجلس میں ناشائستگی اور بے ہودگی کا ارتکاب کرے اُس کو اُٹھا دیا جائے۔ اُس وقت ملا بدایونی کے قریب آصف خان بیٹھا تھا، انہوں نے اُس کے کان میں کہا کہ اگر بادشاہ کے اس حکم پر عمل کیا جائے تو بہت سے علماء کو باہر نکلنا پڑے گا۔

ملا عبد القادر بدایونی کی کتاب "منتخب التاریخ" کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ شروع شروع میں مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری، اکبر کے عبادت خانے میں بحث و مباحثہ سے دور رہتے تھے لیکن جب اکبر نے علماء کو ہاتھا پائی کرتے دیکھا تو اس نے مخدوم الملک کو بھی بحث و مباحثہ میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ ایسا لگتا تھا کہ علماء بھی بات بات پر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کیلئے تیار بیٹھے تھے، ابو الفضل جیسا طفل علم جو مخدوم الملک کے سامنے ایک طالب علم لگتا تھا، جس کے منہ سے کبھی کبھی دودھ کی بو آتی تھی وہ بھی سر چڑھ کر بولنے لگا، اکبر کو اس کی چالاکی، موقع شناسی، تدبیر، ہنر مندی، چابکدستی، پھرتی اور تیزی بہت پسند تھی، اس لئے وہ اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ اس سے ابو الفضل کی ہمت بڑھتی گئی، سرہند کا ایک فاضل، حاجی ابراہیم بھی کافی "منہ زور" نکلا، وہ بھی بات بات پر مخدوم الملک سے اُلجھنے لگا۔ اکبر نے ملا بدایونی کو اس کے منہ کو لگام دینے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ یہ آدمی (ملا بدایونی) اس نوجوان حاجی ابراہیم سرہندی کا سر پھوڑے گا۔ در حقیقت اکبر ابو الفضل، حاجی ابراہیم سرہندی اور عبد القادر بدایونی جیسے منہ پھٹ مناظروں کی ہمت افزائی نہ کرتا تو عبادت خانہ کا ماحول اتنا خراب نہ ہوتا۔ گویا عبادت خانے کے ماحول کے بگاڑ کی تمام ذمہ داری اکبر کی تھی اور علماء بھی اپنی نام نہاد قابلیت دکھانے کیلئے میدان میں آگئے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی، خان جہاں نے مولانا عبد اللہ سلطان پوری سے پوچھا کہ آپ پر حج فرض ہے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا عبد اللہ سلطانی پوری نے کہا کہ مجھ پر دو وجوہات کی بناء پر حج کی فرضیت برقرار نہیں ہے، پہلی یہ کہ سمندر کے راستے حجاز (عربستان) جانے کا ارادہ رکھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ پارچوگیز سے پاسپورٹ حاصل کرے، اس پاسپورٹ پر صلیب کا نشان اور حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی (خیالی) تصویریں بنی ہوئی ہیں اور مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس قسم کے دستاویزات اپنے پاس رکھیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی آدمی خشکی کے راستے حجاز جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ ایران کے راستے سفر کرے، ایران پر اہل تشیعہ کا قبضہ ہے اور کسی سنی کیلئے یہ جائز نہیں کہ ایران سے ہو کر سفر کرے اور وہ اہل تشیعہ کی دل آزاری کی باتیں سنے، اس دو راستوں کے علاوہ کسی طرح حجاز تک پہنچنا ممکن نہیں، اس لئے حج کی فرضیت باقی نہیں۔ باتوں باتوں میں یہ بھی جاننے کو ملا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کیلئے مخدوم الملک نے ایک یہودی حیلہ تلاش کر لیا تھا کہ وہ سال پورا ہونے سے قبل اپنی تمام تر ملکیت اپنی زوجہ کے نام کر دیتے تھے اور پھر اس کی زوجہ سال پورے ہونے سے پہلے شوہر کے نام منتقل کر دیتی تھی۔ یاد رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ایک سال مال اپنے قبضے میں ہونا شرط ہے، اس کو غلط طریقے سے ترکیب لڑا کر وہ زکوٰۃ کی فرضیت سے بچتا تھا حالانکہ شریعت کے مطابق یہ طریقہ درست اور جائز نہیں ہے۔

علماء سے نفرت

علماء کی اس قسم کی حیلہ سازیاں اور ان کے خیالات سن کر آہستہ آہستہ اکبر کا ان پر سے اعتماد ختم ہو گیا۔ مخدوم الملک مولانا عبد اللہ سلطان پوری سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اس کو زبردستی حج کیلئے بھیج دیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ اکبر کی منظوری کے بغیر ہندوستان واپس آگیا۔ اکبر کو اس کے جاسوسوں کے ذریعے پتا چلا کہ مخدوم الملک نے لاکھوں روپے کا سونا چھپا کر رکھا ہوا ہے، اس پر تفتیش کی گئی، مخدوم الملک کے بزرگوں کے قبرستان کی قبروں کو کھود کر اس میں سے تین کروڑ مالیت کی سونے کی اینٹیں نکالی گئیں، اس واقعہ سے مخدوم الملک کی زکوۃ کی ادائیگی اور حج کی فرضیت کے سلسلے میں حیلہ سازیوں کی حقیقت لوگوں کو اچھی طرح سمجھ میں آگئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم الملک جیسے سرکاری مولوی جو دولت کے غلام ہو کر شریعت کا مذاق اڑاتے تھے اور اس وقت کا ماحول کتنی حد تک بگڑ چکا تھا۔ افسوس آج بھی ایسے مشائخ سرکاری مولویوں اور سرکاری مسلمان امراء کی کمی نہیں ہے جن کو صرف پیسے کی خاطر اپنے دین اور ایمان پانی کے دام بیچنے پر پل بھر کیلئے بھی سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔

شیخ عبد النبی کو صدارت ملی تو اس کے جاہ و جلال کا کیا کہنا؟ شہنشاہ اکبر خود اس کے گھر جا کر درسِ حدیث میں شامل ہو جاتا تھا اور شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ اس حالت میں دوسروں کا کیا شمار کیا جا سکتا ہے؟ ملا عبد القادر بدایونی کے قول کے مطابق بڑے بڑے علماء اس سے (یعنی شیخ عبد النبی کو) ملنے گھنٹوں دروازے پر کھڑے رہتے تھے، اکثر و بیشتر یہ دیکھنے کو ملتا تھا کہ امراء اور علماء اس کے دیوان خانے کے باہر انتظار کرتے ہوتے تھے اور شیخ عبد النبی باہر نکل کر ایک جگہ بیٹھ جاتے اور ایک خادم اس کو وضو کراتا تھا جب مستعمل پانی کے چھینٹے علماء کے کپڑوں پر پڑتے لیکن عبد النبی اس بات سے بالکل بے پرواہ ہو کر وضو کرتے تھے اور کسی سے ملے بغیر واپس اپنی جگہ پر چلے جاتے تھے۔ اسی حد سے زیادہ غرور ہی کی وجہ سے لوگ اس کو "ملا فرعون صفت" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مخدوم الملک کی طرح اس نے بھی زکوۃ کی ادائیگی سے بچنے کیلئے "کتاب الحیل" میں حیلہ تلاش کر لیا تھا اور آخر اس کا انجام بھی مخدوم الملک جیسا ہوا۔ اکبر نے اس کو ہندوستان سے جلاوطن کر کے مکہ بھجوا دیا، جب عبد النبی وطن واپس آیا تو جس طرح مخدوم الملک کو گھر واپس آنا نصیب نہیں ہوا تھا، اسی طرح اس کے ساتھ بھی ہوا۔ اس کی قضا اکبر کے دربار میں لے گئی، گفتگو کے دوران اکبر کو اتنا غصہ آیا کہ اس کے چہرہ پر مکہ مار کر قریب کھڑے ہوئے ابو الفضل کو حکم دیا کہ اس کو قید کر لیا جائے اور اس سے ستر ہزار روپوں کا حساب لیا جائے، اتنا ہی نہیں اس پر متھرا کے برہمن اور خضر خان سروانی کو توہین رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور میر حبشہ کو رافضی ہونے پر مار ڈالنے کے غلط فتوی دینے کا الزام لگایا گیا۔ شیخ عبد النبی کی باقی زندگی کال کوٹھری کی دیواروں میں ہی ختم ہوئی۔ تاریخ دانوں کے مطابق شیخ عبد النبی کا قول تھا کہ ابو الفضل نے اس سے بدلہ لینے کیلئے جیل میں اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دی تھیں۔ اس سے اس کو بڑی اذیت ہوئی تھی۔

اکبر کے بنائے ہوئے عبادت خانے میں علماء دو حصوں میں بٹ گئے تھے، ایک گروہ مخدوم الملک اور دوسرا گروہ شیخ عبدالنبی کا حمایتی تھا۔ بحث و مباحثہ کے دوران جب دونوں جھگڑتے تھے، تو ایسا لگتا تھا کہ سبطی اور کبطی (موسوی اور فرعون) باہمی جھگڑ رہے ہیں، ان کی لڑائی نہ صرف زبانی حد تک محدود رہتی، بلکہ دونوں گروہ قلمی میدان میں اتر آئے تھے، مخدوم الملک کے قلم نے شیخ عبدالنبی کے خلاف ایک رسالہ تحریر کیا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ شیخ عبدالنبی کو بواسیر کی بیماری لاحق ہے اور اس کو اس کے والد نے اپنی ملکیت سے عاق کر دیا ہے اس لئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ اس کے بعد شیخ عبدالنبی کیوں پیچھے رہتے؟ انہوں نے بھی مخدوم الملک کے خلاف قلم اٹھائی اور ان کو جاہل مطلق ثابت کر کے دکھایا، ان کے اختلاف اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر بھی کہنے لگے اور یہ اختلافات اخلاقی، سماجی اور تمدنی حدود پار کر گئے۔

اہم مسائل پر بحث

عبادت خانے میں جن اہم مسائل پر بحث ہوتی تھی ان میں سے چند اہم مسائل یہ ہیں:۔

تعظیمی سجدہ

مخدوم الملک اور صدر الصدور اسی طرح لڑتے، جھگڑتے رہے اور عبادت خانے کے ماحول میں افرا تفری پیدا ہو گئی، اس زمانے میں کچھ آدمی بھی جو اکبر کے عبادت خانے میں آنے لگے تھے۔ اس دوران سامعین میں سے ایک شخص جس کا نام تاج الدین تھا اور جو اپنے مقلدین میں تاج الدین عارفین کے خطاب سے مشہور تھا۔ اس نے وحدت الوجود کے اثر کے تحت اکبر بادشاہ کیلئے تعظیمی سجدہ کرنے کو جائز قرار دے دیا۔

داڑھی منڈوانا

حاجی ابراہیم سرہندی نے داڑھی کے مسئلہ پر تحقیق شروع کر دی اور اس کے کچھ دِنوں کے بعد ملا ابو سید جو شیخ امان پانی پتی کا بھائی تھا، اس نے کتب خانے (لائبریری) میں سے ایک ایسی کتاب ڈھونڈ نکالی جس پر کیڑے لگ گئے تھے اور اس نے اکبر کے عبادت خانے میں آ کر، اس کتاب کا حوالہ دے کر اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو بغیر داڑھی کے ہوں گے۔ اس پر شہنشاہ اکبر کے دل میں یہ بات سرائیت کر گئی کہ جنت میں جو جنتی جائیں گے وہ بغیر داڑھی (Clean Shave) کے ہوں گے تو پھر داڑھی نہ رکھنے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

ایک فقیر نے یہ دیکھا کہ حاجی ابراہیم سرہندی کی داڑھی کے متعلق تحقیق اکبر کو بھا گئی ہے تو وہ بھی ایک ایسی کتاب اٹھا لایا، جس میں تحریر کیا گیا تھا کہ ایران کے قاضی داڑھی رکھتے ہیں اس لئے سنّی مسلمان ان کی اتباع نہ کریں اور داڑھی منڈائیں۔

مطلب کہ اکبری درباریوں میں جتنے بھی علماء تھے وہ اکبر کو خوش کرنے کیلئے قرآن اور حدیث سے کھیلنے لگے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے۔ غرض علماء و مشائخ کے دل میں اللہ کا خوف نہ رہا تھا اور اُنہیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کا بھی کچھ پاس نہ تھا۔ ان لوگوں کی دلی خواہش تھی کہ اللہ ناخوش ہو تو کوئی پرواہ نہیں لیکن اکبر ان سے خوش رہے، اس لئے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں

اس دوران چار سے زیادہ نکاح کا مسئلہ سامنے آیا، قرآنِ پاک کی یہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (سورۃ النساء:۳)

جس میں چار بیویاں کی تعداد کا ذکر ہے اور ان سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے لیکن اکبر کے درباری مولویوں نے قرآن کی اس آیت کی تاویل کر کے کسی مولوی نے نو بیویاں اور کسی نے چودہ بیویاں ایک ساتھ رکھنے کو جائز قرار دے دیا اور اکبر کے پاس سے نقد انعام اور اللہ کی لعنت خرید لی تھی۔

جب چار سے زیادہ نکاح ایک ساتھ کرنے اور چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کا مسئلہ زیر بحث تھا اور آخری فیصلہ اکبر کے درباری علماء نے ابھی دیا نہیں تھا کہ اس وقت اکبر کے دربار میں کچھ ایرانی عالم (رافضی) اکبر کے دربار میں داخل ہوئے اور انہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت منقول کرتے ہوئے، بحث شروع کر دی کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو لاکھوں انسان اس ثواب سے محروم نہ رہتے۔

متعہ

متعہ کسی عورت کے ساتھ عارضی طور پر یا کام چلاؤ مدت کیلئے جسمانی تعلقات قائم کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ عورت نہ تو اس مرد کی باقاعدہ منکوحہ ہوتی ہے اور نہ ہی شرعی لونڈی ہوتی ہے، اس لئے متعہ حرام ہے یعنی ہمارے آقا اور مولا حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کو بالکل حرام قرار دیا ہے، اس کو انہوں نے حلال قرار دے دیا۔ علاوہ ازیں جب یہ مسئلہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے آیا تو انہوں نے بھی متعہ کو حرام قرار دیا تھا اور اس کی دلیل میں یہ ہی کہا تھا کہ متعہ ایک ایسی عورت کیساتھ کیا جاتا ہے جو عورت نہ تو مرد کی باقاعدہ بیوی ہوتی ہے اور نہ ہی شرعی لونڈی ہوتی ہے، اسلئے یہ حرام ہے۔

متعہ کی اسلامی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے جبکہ ایرانی (رافضی) مذہب میں کسی عورت کے ساتھ "کام چلاؤ" قرار دیکر اس کیساتھ جسمانی تعلق قائم کرنے کی اجازت ہے، بلکہ اس سے بڑا ثواب ملتا ہے اور متعہ کرنے والا اللہ کے نزدیک معصوم ہوتا ہے، یہ ہے عقیدہ رافضی مذہب کا۔ اس سلسلے میں رافضی مذہب کا ظاہر عقیدہ ہے کہ متعہ نیک اور پاک رافضی عورت کے ساتھ کرنا چاہئے، اگر وہ نہ ملے تو کوئی یہودی، نصرانی عورت کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے، مشرک اور سنّی عورت کے ساتھ متعہ جائز نہیں ہے، رافضی گروہ کا بڑا ظالمانہ عقیدہ یہ بھی ہے کہ بھانجی (بہن کی بیٹی) اور بھتیجی (بھائی کی بیٹی) پر اگر دل آجائے تو بیوی کی اجازت سے اس کے ساتھ بھی متعہ ہو سکتا ہے، اس کیلئے اس کے (یعنی بھانجی اور بھتیجی کے) والدین کی رضامندی لازمی ہے اور بھی رافضی مذہب کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی نیک رافضی عورت مل نہ سکے تو کوئی بازاری عورت یعنی طوائف سے بھی متعہ کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسا کرنے سے پہلے اس عورت کو توبہ کرانا ضروری ہے، اس کے بعد، اس کے ساتھ ڈرتے ڈرتے متعہ کی رسم کرنی چاہئے۔

متعہ کی رسم رافضی گروہ کے قول کے مطابق اس طرح ہوتی ہے، اس کی شرائط میں یہ ضروری ہے کہ مرد جس کے ساتھ متعہ کرتا ہے، اس سے یہ کہے کہ میں تیرے ساتھ متعہ (شادی) کرتا ہوں، ایک مخصوص مدت کیلئے اور مہر کی مخصوص رقم پر اور خدا اور رسول کے قانون کے مطابق، نہ تو تجھے میرا وِرثہ ملے گا اور نہ ہی میں تیرا وارث ہوں گا۔ یہ الفاظ متعہ کیلئے کافی ہیں، اس میں جس مہر کا ذکر ہے وہ مہر کی رقم ایک چپاتی آٹے کی جتنی بھی مقرر کی جاسکتی ہے اور پچیس پیسہ کی رقم بھی ہو سکتی ہے یا اس سے بھی زیادہ مقرر ہو سکتی ہے، متعہ کی مدت ایک گھنٹہ یا دن یا ایک رات یا ایک مہینہ یا ایک سال یا ایک صدی بھی ہو سکتی ہے۔ جس عورت سے متعہ کیا گیا ہو اور اس کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کیا گیا ہو وہ وقت پورا ہو جاتے ہی آزاد ہو جاتی ہے، اس کے بعد عورت کو عدت کی مدت گزارنی ہوتی ہے اور یہ عدت پینتالیس روز یعنی ڈیڑھ ماہ رکھی جاتی ہے، اس مدت کے درمیان وہ عورت دوسرے مرد کے ساتھ نہ تو نکاح کر سکتی ہے نہ ہی متعہ کر سکتی ہے، غرض اس عورت کو باقاعدہ شادی شدہ عورت کی طرح کے کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے ہیں اور متعہ کی مہر کی بھی کتنی رقم؟ مہر فاطمہ کے مہر سے بھی کم!

عدت کی مدت جو پینتالیس دِن مقرر ہوئی ہے، اس کا شمار شب و روز میں ہوتا ہے، یعنی بائیس روز اور تئیس راتیں، علاوہ ازیں اگر چالیس سال سے زیادہ عمر کی عورتیں متعہ کرتی ہیں تو ان کو خاص سہولت دی جاتی ہے وہ یہ کہ ایسی عورتوں کی عدت کی مدت کچھ بھی نہیں، شرط یہ ہے کہ ایسی عورتوں کی ماہواری بند ہو گئی ہو۔ گویا ایسی عورتیں کسی بھی مرد کے ساتھ "کام چلاؤ" بنیاد پر شادی (متعہ) کر کے جسمانی تعلقات قائم کر سکتی ہیں اور اس کی مدت پوری ہو جانے کے فوراً بعد کسی دوسرے مرد کے ساتھ عدت کی مدت گزارے بغیر متعہ کر سکتی ہیں اور اس کے بعد اس سے الگ ہو کر فوراً تیسرے اور چوتھے مرد کے ساتھ متعہ کر سکتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ چالیس سال سے زیادہ عمر کی عورتیں ماہواری بند ہو جانے کے بعد عدت کی کوئی پابندی نہیں رہتی کیونکہ حمل رہ جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی یعنی ایسی عورتیں جتنے مردوں کے ساتھ متعہ کریں گی ان کو اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا اور ایسی عورتوں کو رافضی مذہب میں نہایت نیک اور پاک باز عورتیں سمجھا جاتا ہے۔

رافضی مذہب کی ایک نہایت عجیب حقیقت معلوم ہوئی ہے کہ جو کوئی رافضی ایک دفعہ متعہ کرے گا اس کو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ حاصل ہوگا، جو دو دفعہ متعہ کرے گا اس کا مرتبہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جتنا مرتبہ ہو جائے گا اور جس نے تین دفعہ متعہ کیا اس کا رتبہ حضرت علی شیر خدا کے برابر ہو جائے گا اور جس نے چار مرتبہ متعہ کیا اس کا مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنا ہو جائے گا۔ تعجب ہے کہ جو رافضی عالم پانچویں دفعہ متعہ کرے گا اس کا مرتبہ کتنا ہو جائے گا یہ نہیں لکھا گویا یہ سمجھنے والی بات ہے، کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

"منتخب التواریخ" کے مصنف ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ ایرانی (رافضی) علماء کے قول کے مطابق اکبر نے متعہ کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کیلئے علماء کی ایک کمیٹی (مجلس) بنائی تھی، اس کمیٹی نے رپورٹ پیش کی، جس میں کہا گیا تھا کہ "ایرانی (رافضی) علماء کے نزدیک متعہ کرنا جائز ہے اسی طرح اہل سنت کے مالکی مذہب میں بھی متعہ کو جائز کہا گیا ہے کیونکہ مالکی مذہب کے قاضی نے بھی متعہ کو جائز قرار دے کر اس پر عمل کرنے کا فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے شہنشاہ اکبر کو مسلمانوں کو زِنا اور بدکاری سے دور رکھنے کیلئے حنفی قاضی کو برطرف کر کے اس کی جگہ مالکی قاضی کا تعین کیا جائے"۔

اس رپورٹ پر عمل کرتے ہوئے اکبر نے حنفی قاضی کو برطرف کر کے اس کی جگہ مالکی قاضی جس کا نام قاضی حسین بن عرب تھا، اس کو دارالحکومت دہلی کا قاضی مقرر کیا جبکہ مالکی مذہب میں متعہ جائز ہونے کا ذکر ہے ہی نہیں۔ یہ اکبری حکومت کے نام نہاد علماء کی چالاکی تھی، جنہوں نے متعہ جیسے بالکل حرام ثابت ہونے والے مسئلہ کو اکبر کی خوشی کی خاطر جائز قرار دے دیا تھا۔

عبادت خانے کی کار کردگی

قابلِ اعتماد تاریخ دانوں کے قول کے مطابق اکبر کے بنائے ہوئے عبادت خانے میں آنے والے عالموں میں باہمی جو بحث و تمحیص ہوتی تھی، اس میں ایک عالم جس کام کو حرام بناتا تھا تو دوسرا عالم اس کو جائز بنانے کی کوشش میں مشغول ہو جاتا تھا۔ مشہور عالم حاجی ابراہیم سرہندی نے لال لباس پہننے کو جائز بتایا تو اکبری دربار کے ایک عالم سید محمد عادیل نے حرام قرار دے دیا۔ شاید اس لئے سید محمد میر عادیل جیسے نیک اور پرہیز گار عالم کو دارالحکومت سے تبدیل کر کے ابوالفضل اور حاکم ابوالفتح جیسے فتنہ انگیز کیلئے میدان خالی کر دیا جائے۔ اکبری دربار کے ان فتنہ خوروں میں شاہ فتح اللہ، ابوالفضل اور ابوالفتح خاص تھے۔ وہ ان کی عبادت گاہ میں ہونے والی بحث تمحیص میں زیادہ ترمنہ پھٹ ثابت ہوئے تھے، ابوالفضل کے سامنے اگر کوئی عالم امام قفال الشاشی، امام باکلانی، سمسٔول حلوائی، امام غزالی، امام جصاص اور امام قدوری (رحمہم اللہ) کے قول کو پیش کرتا تو بدبخت ابوالفضل اکبر کو دیکھ کر کہتا کہ سن لیں، یہ ہمارے مقابلے میں حلوائی، کنجڑے، موچیوں اور تالے ٹھیک کرنے والوں کا قول اپنی حمایت میں پیش کر رہا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں لوگوں کو ان کے منسلک پیشے کے مطابق شمار کیا جاتا تھا، جبکہ اسلام میں کسی بھی پیشہ اپنانے والے شخص کو، اگر وہ پرہیز گار اور عالم ہے، تو اس کو سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ اکبر کے دل میں فتنہ خوروں نے کچھ ایسا ڈول ڈال دیا تھا کہ حلوائی، موچی، بھاجی (ترکاری) فروخت کرنے والے اور تالے درست کرنے والے (تالے ساز) افراد عالم ہو ہی نہیں ہوسکتے۔ اس طرح اکبر علماء سے دور ہونے لگا کیونکہ اس وقت اس قسم کے کاروبار کرنے والے کا سماج میں کوئی مقام نہ تھا اور ذات پات کا چکر بڑا اہم تھا۔

اکبر کے بنائے ہوئے عبادت خانے میں آنے والے علماء میں زیادہ تر ایسے علماء تھے جو اپنے آپ کو امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا سمجھتے تھے، جب اکبر نے دیکھا کہ یہ نام نہاد امام حج کی فرضیت اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کیلئے حیلے بہانے تلاش کر لیتے ہیں تو وہ ان "نام نہاد عظیم اماموں" سے بدگمان اور بدظن ہو گیا تھا۔ اس کا درباری عالم ابوالفضل بھرے دربار میں مقلدیوں کو اماموں کا قیدی کہنے لگا تھا اور اس طرح اس نے اکبر کو اماموں کی تقلید سے رہائی دلائی تھی، اتنا ہی نہیں اس کے عبادت خانے کے دروازے ہر عقیدت رکھنے والے کیلئے کھول دیئے گئے تھے۔

اکبر کے دربار میں ہر مکتب فکر کے علماء کو آنے کا دعوتِ عام ملنے سے ایران کے رافضی عالم ملا محمد یزدی جو عام لوگوں میں زیدی کے نام سے مشہور تھا وہ بھی دربار میں آنے لگا، ایک دن گرما گرم بحث چل رہی تھی، اتنے میں اس کی زبان چلی، وہ اسلام کے تین عظیم خلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور عظیم صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اہلسنت کی شدید طریقے سے توہین کرنے لگا، اس نے شہنشاہ اکبر کو عجیب و غریب شکایتیں سنانے شروع کر دیں، اس کی اور اس کے رافضی ساتھیوں کی باتیں سن کر اکبر بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا۔ اتنا ہی نہیں وہ وحی، نبوت اور معجزہ کا انکار کرنے لگا، وہ شریعت کے احکام کو صرف تقلید کا نام دے کر ذہن کو دین کی کسوٹی کہنے لگا۔

اکبر کا تعمیر کردہ عبادت خانہ کی یہ حالت دیکھ کر وہاں آنے والا کوئی بھی اسلامی احکام اور شریعت کا مذاق اُڑانے لگا، بلکہ ہر ایک کو حکم تھا کہ عبادت خانے میں داخل ہوتے ہی ایسا اعلان کرنا ہوگا کہ اگر گائے قابلِ عبادت نہیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ پاک کی پہلی سورۃ میں اس کو جگہ دی نہیں ہوتی، اس لئے گائے کے قدموں میں جنت تلاش کرنی چاہیے۔

جب بحث و تمحیص کی جگہ مذاق نے لے لی تو صحیح عقیدہ کے علماء اور مشائخ نے عبادت خانے میں جانا بند کر دیا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند حضرت مولانا بدر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دارالحکومت دہلی سے نکل کر احمد آباد (گجرات) آئے اور پھر خاموشی سے جدہ روانہ ہوگئے اور مکہ میں اپنی باقی زندگی گزار دی، اسطرح انہوں نے کعبہ کے دیوار کے نیچے کعبہ والے کی امانت میں خیانت کئے بغیر اللہ کی امانت اسی کو سونپ دی۔ اسی طرح کئی اور علماء نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور کچھ علماء کو اکبر نے دور دراز علاقوں میں بھیج دیا۔ بالآخر آہستہ آہستہ میدان خالی ہوتا چلا گیا۔ صحیح عقیدہ علماء کے جانے کے بعد اکبر کے عبادت خانے میں پہلے رافضی داخل ہوئے، پھر علی الترتیب ہندو، پارسی اور جینی آئے۔ ایسے موقعہ پر پرتگیزی کیوں پیچھے رہتے؟ وہ بھی اپنی مقدس صلیب کو لے کر اکبری دربار میں پہنچے اور انہوں نے مسلمان علماء کو عیسائی مذہب کے ساتھ مناظرہ کرنے کیلئے چیلنج کیا، لیکن وہاں کوئی ایسا انسان تھا ہی نہیں جسے صحیح معنوں میں مسلمان کہہ سکیں، علماء کی بات دور رہی۔ ایسے وقت میں حضرت شیخ قطب جلشری نام کے ایک بزرگ مجذوب مستانی حالت میں نعرے لگاتے ہوئے میدان میں کود پڑے اور انہوں نے پرتگیزیوں عیسائیوں کو مناظرہ کرنے کا چیلنج دیا لیکن کوئی عیسائی پادری اس کیلئے تیار نہ ہوا۔ اکبر نے مسئلہ کی سنگینی کو دیکھ کر پرتگیزیوں سے کچھ سوال کر کے مباحثہ کرنے کی بات کو ٹال دیا۔ مزید احتیاط کے طور پر اس نے پادریوں (مسیحی) کے سامنے مناظرہ نہ کرنے والے نام نہاد علماء کو قندھار افغانستان بھیج دیا اور وہاں کے حکمران کو لکھا کہ قندھار افغانستان کے اصطبلوں میں جتنے گھوڑے ہیں، ان کو دہلی بھیج دیا جائے اور ان علماء کو اصطبلوں میں گھوڑوں کی جگہ رکھا جائے۔

شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں یہ ناگفتہ بہ حالت آہستہ آہستہ دارالحکومت دہلی سے شروع ہو کر ہندوستان کے اور شہروں میں پھیلنے لگی، اس حالت کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ اہلِ حق کی معمولی تعداد اور دنیا پرست علماء کی ناکامی اور بے شرمی کی وجہ سے مذہبِ اسلام کو کافی نقصان پہنچا، یہودیوں جیسے حیلہ ساز اور حکومت پسند لوگوں کی وجہ سے اسلام کو جو نقصان پہنچا، ان سے یہ دنیا پرست مولوی بھی بچ کر نہ رہے، مشہور تاریخ دانوں ملا عبد القادر بدایونی نے اس حالت کی ذمہ داری شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک سلطان پوری کو بتایا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مرشد زادہ خواجہ عبید اللہ (خواجہ کلاں) نے کہا ہے کہ اسلام میں جتنے فتنے پیدا ہوئے وہ فتنے دہریہ (ناستک)، اسماعیلی اور سبایوں نے پیدا کئے لیکن اکبر کے وقت میں پیدا ہونے والے بڑے فتنے اس وقت کے دنیا پرست علماء کی وجہ سے پھیلے جو اکبر کے "درباری علماء" تھے جن کو دوسرے لفظوں میں "سرکاری مسلمان" کہہ سکتے ہیں۔

تصوف کی صوفیانہ باتیں

صوفیا کا کردار

شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں نام نہاد درباری علماء کے غلط طور طریقوں سے لوگ اکتا گئے تو صوفیاء کی ہوا چلنے لگی اور لوگ اس طرف راغب ہو گئے۔ بد نصیبی سے اس وقت ہندوستان روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا، ملک کے کسی بھی حصہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو مسلمانوں کی راہنمائی کر سکے۔ گنتی کے چند بزرگانِ دین، جو تصوف کے رنگ میں غرق ہو چکے تھے، انہوں نے تصوف کا ایک عقیدہ پیش کیا جو "وحدت الوجود" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی آڑ میں نام نہاد صوفیاء نے عجیب و غریب خیالات پیش کئے اور لوگوں کو بے شغلی، بے عملی، سستی اور کاہلی کی طرف لے گئے۔ یہ صوفیاء زیادہ تر مستی کی حالت میں رہتے تھے۔ مشہور شاعر علامہ اقبال کے قول کے مطابق وحدت الوجود کی سوچ، مسلمانوں کیلئے زہر قاتل بن گئی تھی۔ شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت سے پہلے اور اس کے بعد اُمتِ مرحومہ کی جو بربادی ہوئی، اس میں یہ مہلک نظریہ نے اہم کردار ادا کیا۔ ہندوستان میں جگہ جگہ اس نظریہ کو بڑے پیمانے پر پھیلایا گیا اور اس کی نشرو اشاعت کی گئی۔ اس زمانے میں شیخ عبد اللہ پانی پاتی کا نام، صوفیاء میں اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا تھا، اس نے وحدت الوجود کے موضوع پر بہت سی کتب لکھیں، اس وجہ سے عوام میں وہ "ابن عربی" یا "شیخ اکبر" کے خطاب سے مشہور ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ شیخ عبد اللہ پانی پتی کا تعلق ملامتیہ سلسلہ کے ساتھ تھا۔ اس سلسلہ کے بزرگ شریعت کے تمام بندھنوں سے آزاد ہوتے تھے، یہاں تک کہ شیخ امان اللہ پانی پتی نماز کے متعلق حد سے زیادہ غفلت برتتے تھے۔ ان کی صحبت میں جو لوگ رہتے، وہ زیادہ تر مجذوب (مجنو) ہوتے تھے۔ شیخ عبد اللہ پانی پتی کی وفات حالانکہ اکبر کی تخت نشینی کے قبل ہو گئی تھی، مگر اس کا نظریہ مکمل طور پر اکبری دور کے ماحول پر پوری گرفت رکھتا تھا۔

شیخ عبد اللہ پانی پتی کے مرید خاص جس کا نام تاج الدین تھا، جس کو ہندوستان کے صوفیاء بڑی عزت و اکرام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے جاننے والے اور ہمدرد اس کو "تاج العارفین" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ تاج العارفین کی آمد و رفت شاہی محل میں تھی۔ اکثر اوقات اکبر رات کے وقت، فرصت میں اس کو اکیلے میں بلاتا اور اس کے ساتھ تصوف کے موضوع پر بحث کرتا تھا۔ اس طرح تاج العارفین اس کو تصوف کی معلومات دیتا تھا۔ بد نصیبی سے تاج العارفین کا تعلق اس حلقہ سے تھا، جس کا عقیدہ تھا کہ سلوک کی منزل پر پہنچ کر شریعت کی پابندیاں نہیں رہتیں، مگر سلوک کی منزل کی اس کے پاس کوئی وضاحت نہ تھی، جس سے معلوم ہوتا کہ وہ منزل کیا ہے؟ جہاں شریعت کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حقیقت میں ایسی کوئی منزل دین اسلام میں نہیں ہے۔ جب سلوک کی ایسی منزل پر ہمارے آقا و مولیٰ، حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کرام اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور آئمہ مجتہد پہنچ نہ سکے تھے، تو یہ نام نہاد صوفیاء سلوک کی ایسی منزل پر کیسے پہنچ سکتے تھے کہ شریعت کی پابندیاں ختم ہو کر بے وقعت ہو جائیں۔ غرض یہ لوگوں کو دین سے بے بہرہ کرنے کا کام انجام دے رہے تھے۔

غضب تو دیکھئے کہ یہ بھی معلوم ہوا کہ تاج العارفین کا عقیدہ تھا کہ خدائی دعویدار فرعون دُنیا سے ایمان کے ساتھ رُخصت ہوا تھا اور وہ اپنے اس عقیدہ کا اظہار کھلم کھلا کرتا تھا۔ اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، بلکہ وہ اپنی سزا پا کر آخر کار جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ تاج العارفین شہنشاہ اکبر کو تفسیر قرآن و حدیث کو وحدت الوجود عقیدہ کی روشنی میں اس طرح سمجھاتا کہ اکبر کو ایسا لگتا کہ شریعت کے احکام موقوف ہو چکے ہیں۔

تاج العارفین کھلے الفاظ میں اکبر کو "ظل اللہ" (اللہ کا عکس) ظاہر کیا اور اس کیلئے تعظیمی سجدہ کرنے کو واجب قرار دیا۔ تاج العارفین وقتاً فوقتاً "لا موجود الا اللہ" کا نعرہ لگاتا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جب اللہ کے سوا کوئی شے موجود نہیں، تو پھر جو کچھ نظر آتا ہے، وہ اللہ ہی ہے۔ اس لئے تاج العارفین اکبر کو جب دیکھتا تو اُسے اللہ ہی سمجھتا تھا اور وہ مانتا تھا کہ اکبر کو سجدہ کرنا غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے مترادف نہیں۔ (نعوذ باللہ)

تاج العارفین اور اس کے پیر مرشد شیخ امان اللہ پانی پتی جو "شریعت کے بندھنوں سے آزاد" اور ملامتیہ طریقہ کے مقلد تھے، انہوں نے اکبر کے دورِ حکومت میں اسلام کو اتنا نقصان پہنچایا کہ چار سو سال کے بعد بھی اس کا اثر ختم نہ ہو سکا۔ اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اکبری دورِ حکومت میں اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی بے دینی کا سبب اس قسم کے نام نہاد مولوی اور صوفیاء ہی تھے۔

امام ربانی احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُس دور کے مجدد تھے اور مجدد الف ثانی کہلاتے ہیں، گویا ایک ہزار مجدد کے برابر ایک مجدد تھے۔ انہوں نے ان نام نہاد صوفیاء کے بارے میں لکھا ہے کہ ان صوفی نما جاہل اور دنیا پرست علماؤں نے جگہ جگہ فساد کی آگ پھیلا دی تھی۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی کا شمار بزرگانِ دین میں کیا جاتا ہے اور وہ اس دور کے تصوف کے بانیوں میں سے تھے، ان کو بھی وحدت الوجود کے عقیدہ نے گھیر رکھا تھا۔ جب انہوں نے وحدت الوجود کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا، تو اس کے بیٹوں نے اس کے عقیدے کی مخالفت کی اور اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ اس پر شیخ عبد القدوس گنگوہی اپنے بیٹوں سے بے حد ناراض ہوا اور کہا کہ میں ایسی جگہ رہنا نہیں چاہتا، جس جگہ کے لوگ وحدت الوجود کے عقیدے پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ شیخ عبد القدوس گنگوہی کے فرزند شیخ رکن الدین کا قول ہے کہ اس واقعہ کے بعد شیخ بزرگ نے اپنے فرزند کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا، جب اس سے اس کا سبب معلوم کیا تو اس نے کہا کہ میرا دین اور ہے اور تمہارا دین اور ہے۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی کے فرزند نے کتاب "لطائف القدوسی" میں تحریر کیا ہے کہ میرے والد کی شادی کے موقع پر عورتیں ہندو دوہرا گا رہی تھیں جس کو سن کر وہ وجد میں آ گئے اور اپنے تمام کپڑے پھاڑ دیئے۔ کتاب لطائف قدوسی کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شیخ عبد القدوس گنگوہی زیادہ تر مست یا بے ہوشی کی حالت میں رہتے تھے اور سماع سننے کے موقع پر وجد میں آ کر ناچنے لگ جاتے۔ اسی وجہ سے ان کے رہنے کیلئے گھر کے احاطے میں ایک جھونپڑی بنا دی تھی، جس میں وہ وجد کی حالت میں ناچنے لگتے اور جھونپڑی کو توڑ دیتے۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹے جھونپڑی کی مرمت کرتے کرتے تھک چکے تھے۔

شیخ امان اللہ پانی پتی کی طرح شیخ عبد القدوس گنگوہی کی وفات اکبر کی تخت نشینی سے پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن ہندوستان کے وسیع علاقے میں ان کے خلفاء ان کے مشن کو پورے کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ کتاب اخبار الاخیار کے مصنف حضرت عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت کے مطابق اس کے خلیفہ شیخ جلال الدین تھانیسری کا زیادہ تر وقت وجد اور محافلوں میں گزرتا تھا۔ ڈاکٹر یوسف حسین نے اپنی انگریزی کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر دورِ حکومت میں وحدت الوجود کی سوچ ہندوستان میں پھیل گئی تھی اور صوفیاء ہوش کے بدلے بے ہوش اور مستی کی حالت میں پھنس گئے تھے اور اکبر کے دین الٰہی کی سوچ اس سے کافی حد تک قریب ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی انگریزی کتاب The Influence of Islam on Indian Culture "ہندوستانی کلچر پر اسلام کا اثر" میں لکھا ہے کہ خدا کی پرستش کئی طریقے سے ہو سکتی ہے، جتنے بھی مذاہب ہیں وہ تمام تر اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام اشیاء جو وجود میں ہیں وہ مظہر الٰہی ہیں۔ اس لئے بچھڑا اور ستارے کے روپ میں بھی خدا کی پرستش ہو سکتی ہے اور اس عقیدہ کو ایمان کا جز بنانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ انسان میں برداشت کی قوت پیدا ہو جائے گی۔ اسلام میں بھی مختلف مظاہر الٰہی کی عبادت کی جاتی ہے۔

متذکرہ واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس زمانے میں ہندوستان روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا۔ اُس زمانے میں کوئی ایسا مردِ خدا نظر نہیں آرہا تھا کہ جو صحیح معنوں میں عوام کی رہنمائی کر سکے۔ جو کہ شیخ سماع الدین سہروردی اور شیخ عبد القدوس گنگوہی عوام میں کافی زیادہ مقبول نہیں ہو سکے تھے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری نے اکبری انعام میں ایک کروڑ کی سالانہ آمدنی دینے والی جاگیر قبول کر لی تھی اور اس جاگیر کی دیکھ بھال پر اپنی بقیہ زندگی گزار دی۔ اس کے خلفاء دار الحکومت دہلی اور اس سے دور کے علاقہ گجرات کے کنارے کے علاقوں میں لوگوں کی ہدایت کے کاموں میں مشغول تھے۔ شیخ سلیم چشتی اس زمانے کی بزرگ ہستی تھی لیکن سرکاری حلقے سے باہر نکل نہ سکے۔ وہ صرف شیخ الحکمہ اور شیخ الحکام بن گئے تھے۔ ان کے بیٹے شیخ بدر الدین چشتی، اکبر کی سیاسی پالیسیوں سے سخت ناراض ہو کر ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔ غرض اچھے انسان کی قحط کے زمانے میں مجذوب کا گروہ میدان میں آگیا تھا، جو بد نصیبی سے شریعت کی پابندیوں سے آزاد تھے اور انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو لوگوں میں پھیلا دیا تھا، جس کے باعث ہر طرف شریعت سے بیگانگی کی ہوا چلنے لگی۔

مجذوبوں اور پیروں کا دور دورہ

اکبر کے دورِ حکومت میں ایسے مجذوبوں کی وسیع تعداد اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے کا ماحول شریعت کے لحاظ سے صحت مند نہ تھا۔

تاریخ شاہی اور مخزن افغانی کی کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے دور میں ہوش کے بجائے مستی مکمل طور پر چھا گئی تھی۔ چاروں طرف مجذوبوں کے ٹولے اپنے اپنے چیلوں کا گروہ بنا کر پھیلے ہوئے تھے، مخزن افغانی کے مصنف نعمت اللہ ہروی کی کتاب میں بے شمار مجذوبوں کے نام پائے جاتے ہیں جو اس دور میں چاروں جانب پائے جاتے تھے، جو بے اولادوں کو اولاد اور نامرادوں کی مراد برلاتے تھے! ان مجذوبوں میں میاں قاسم خلیل، شیخ علی سرمست، شیخ حمزہ، شیخ جمال کاکر، علی مجذوب، شاہ محمد، شیخ دتو شروانی اور شیخ عارف قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں بھی کچھ مجذوبوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً علاؤ الدین، یہ سامانہ کا رہنے والا تھا اور اس کی وفات اکبر کی تخت نشینی سے پہلو چکی تھی پھر بھی اسی کے قصے گاؤں والوں کی زبان پر زدِ عام تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر نہایت ہی عزت واکرام سے کیا ہے۔ مفتی محمد سرور شاہ حسین لاہوری کا ذکر بھی مجذوب کے طور پر کیا ہے۔ شیخ حسن بودلہ نام کا ایک مجذوب دہلی میں رہتا تھا، وہ گلیوں اور چوراہوں میں برہنہ حالت میں گھومتا رہتا تھا، اس کی سماع کی جانب بڑی کشش تھی۔ اسی طرح دہلی میں شیخ عبداللہ ابدال نام کا ایک مجذوب رہتا تھا، جو رشتے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے دادا کے بھانجے تھے، وہ بزرگ دہلی کی بازاروں میں بندی دوہرا اگا کر رقص کیا کرتے تھے۔ بابا کپور مجذوب کالپی کے رہنے والے تھے لیکن اس نے گوالیار میں رہنا پسند کیا اور وہیں رہے، وہ زیادہ تر دھیان میں محو اور مستغرق رہتے تھے اور کبھی کبھار وہ "بابا طاہر عریاں" کی سنت پر عمل کرتے تھے۔ اجمیر میں بائین نام کے ایک مجذوب کا سکّہ بیٹھا ہوا تھا اور نارنول کی گلیوں میں علاؤ الدین مجذوب ھمہ حق کا نعرہ لگاتا تھا۔ موڈو میں شاہ منصور مجذوب کو لوگ "صاحب کشف جلی وتصرف باطین" مانتے جاتے تھے۔ سوبن کے نام کے ایک مجذوب کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ زیادہ تر چونے کے ڈھیر پر لیٹے رہتے تھے۔ جب بھوک لگتی تو مٹھیا بھر بھر کے چونا کھا جاتے تھے اور ایک سانس میں ایک مشک پانی پی جاتے تھے۔

اُس زمانے میں ایسے متعدد مجذوب بزرگان تھے جن کے بارے میں لوگ یہ مانتے تھے کہ وہ قطب اور غوث کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ اکبر کو علماء سے نفرت ہو گئی تھی اور صوفیاء سے عقیدت مندی اس کے دل میں سرائیت کر گئی تھی وہ سمجھتا تھا کہ صوفیاء اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور اس کے سوا کوئی اور سوچ ان کے قریب بھی نہیں آتی۔ اکبر کی اس عقیدہ کا فائدہ اُٹھا کر سچے صوفیاء کے ساتھ ساتھ جھوٹے لوگ بھی صوفیاء جیسی صورت اور لباس پہن کر فتح پور سیکری میں آنے لگے تھے۔ ان میں سب سے پہلے

شیخ عبدالعزیز خلیفہ اعظم "شیخ جانی لدہ" فتح پور سیکری پہنچے اور اکبر کے عبادت خانے میں پہنچ کر الٹی نماز پڑھنے کی شروعات کی۔ اس کو پیش گوئی کرنے کا بڑا شوق تھا۔ جب اس کو معلوم ہوتا کہ بادشاہ کی کوئی حرم (بیگم) حمل سے ہے تو وہ آگاہی کر دیتا تھا کہ اس کے یہاں شاہزادہ رتن ہو گا، لیکن اس کی تمام تر پیش گوئیاں غلط ثابت ہوئیں جس سے اکبر کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی تھی۔

سید ہاشم نام کے بزرگ فیروز آباد کے باشندے تھے، اس کو خبر ہوئی کہ اکبر کے دربار میں صوفیاء کی پانچوں اُنگلیاں گھی میں ہیں، توانہوں نے بھی فتح پور سیکری آکر اپنی دکان سجائی۔ اس نے ایسی ایسی نازیبہ حرکتیں کیں جس کے باعث عظیم بزرگانِ دین اور صوفیاء کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہوگیں۔

اکبر کے دورِ حکومت کے نہایت بگڑے ہوئے ماحول میں کچھ نام نہاد سجادہ نشین اور روحانی پیشوا کا مرتبہ اور مقام، عام انسان سے بالاتر ہو گیا تھا۔ اس زمانے کے ایک بزرگ اخوند درِوزہ، جنہوں نے ارشاد الطالبین نام کی ایک کتاب تحریر کی ہے، اس میں ان حقائق کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ان کے مطابق اس زمانے میں فتنہ فساد عام تھا اور بہت سے آدم صورت اور شیطانی تہذیب والے اپنے پیش روؤں کی قبروں کے سجادہ نشین بن کر لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ اخوند درِوزہ نے اپنی دوسری کتاب جس کا نام تذکرۃ الابرار والاشرار میں بھی متعدد صوفیاء کا ذکر کیا ہے جو پہلے تو وہ خود گمراہ ہوئے پھر انہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا، ان اشرار (بدذاتوں) میں ایک شریر پیر طیب نام کا افغانی تھا جو لوگوں میں دوسرے جنم کے مسئلے کو خوب پھیلاتا اور اس کو حقیقت بتاتا تھا۔ پیر عبدالرحمٰن جو قیامت کا انکار اعلانیہ کرتا تھا۔ ولی نام کا ایک افغانی پیر دوسرے جنم کی تبلیغ کر کے سینکڑوں لوگوں کا ایمان خراب کرتا تھا، وہ پہلے نبوت کا دعویدار تھا۔ لوگ ان کے فریب میں پھنس گئے، اس کے بعد وہ خود خدا ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، اس کے مصداق گرگشتی قبیلہ کے ایک افغانی کریم داد نے نبی ہونے کا دعویٰ کر کے لاتعداد لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس نے چکدرہ کے آس پاس کے رہائشی علاقہ "پیر پہلوان" آیا اور افغانوں میں علی پرستی کا طریقہ شروع کیا۔ اس نے نماز اور روزہ کو منسوخ کر دیا اور اپنے مریدوں کیلئے شراب اور زِنا کو جائز قرار دیا۔ ۹۸۱ھ میں اکبر ایک خاص جوڑی دار ساتھی جس کو لوگ صاحب الزماں کے لقب سے پہچانتے تھے اور اس کا اصلی نام مراد تھا، اس نے اپنے علاقے میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، شاید اس نے نبی ہونے کا دعویٰ اس لئے نہیں کیا کہ اس سے پہلے محمود نام کا ایک ایرانی ایسا دعویٰ کر چکا تھا۔ مندرا نام کے ایک افغانی قبیلہ کے بہت سے افراد قطب اور غوث ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا، اس کو "ملامرو" نام کا قطب کہا جاتا تھا وہ کہتا تھا کہ عرش پر ایک فرش بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے، اس پتھر پر ایک بڑا خیمہ بنا ہوا ہے جس کے ستر ہزار دروازے ہیں اور اس خیمے میں ایک تخت رکھا ہوا ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا کہہ کر ملامرو نے اللہ تعالیٰ کو جسم والا ثابت کیا جس کی پیروی ابن تیمیہ نام کے ایک عالم نے "علی العرش الستویٰ" نام کی تفسیر میں کی تھی۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ اللہ کے ہاتھ پاؤں، منہ، سر،

آنکھ اور کان وغیرہ ہیں، جو کہ اسلام کے عقیدے سے بالکل خلاف ہے۔ اس عقیدے نے کرامتیہ فرقہ کو جنم دیا۔ یہ کرامتیہ فرقہ کے مبلغ جس علاقے میں رہتے تھے، اُس علاقے میں بدھ مذہب کے ماننے والے اکثریت میں تھے۔ وہ لوگ گوتم بدھ کی پوجا کرتے تھے اس مذہب میں گوتم بدھ کو الٹی پالتی لگا کر بیٹھا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جب ان لوگوں نے اسلام قبول کیا تو ان کے ذہن میں اللہ کا تصور اسی طرح کا تھا۔

ان بدبختوں میں سب سے زیادہ خطرناک خبیث پیر روشن تھا، جس کو مغل تاریخ کے تاریخ نویسوں نے "پیر تاریک" کے نام سے یاد کیا ہے، وہ مشرق پنجاب کے مشہور شہر جالندھر میں افغانوں کے آخر حکمران کے دور میں پیدا ہوا تھا۔ مغل حکومت کے ابتدائی دور میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ علاقہ غیر میں چلا گیا تھا، لیکن بالغ ہونے پر تعلیم کی غرض سے دوبارہ ہندوستان آیا۔ اُس نے کالنجر میں ملا سلیمان نام کے ایک اسماعیلی کے مدرسے میں داخلہ لیا، جو نامور درسگاہ تھی۔ پیر روشن کی درسگاہ میں داخل ہو کر اس نے وہ اسماعیلی استادوں سے تعلیم لینے لگے۔ اس نے عجیب و غریب عقائد اپنا لئے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر وہ واپس آزاد علاقے میں آیا اور اپنے حلقے میں دعویٰ کیا کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے۔ اس کے عقیدے میں قبلہ رُخ نماز پڑھنا ضروری نہ تھی، اسی طرح وہ اپنے پیروؤں کو، جو ٹھنڈے علاقے میں رہتے تھے، ان کو جنابت کے غسل سے بری کر دیا۔ پیر روشن کا ایسے علاقے سے تعلق تھا جہاں سے تاجروں کے مسافر قافلہ گزرتے تھے۔ اُس کے پیروؤں کو لوٹ کر مار ڈالتے تھے۔ یہ ان کا پیشہ تھا، اس لئے برائی نہ تھی۔ اس نے اپنے مقلد کی ہدایت کیلئے "خیر البیان" نام کی ایک کتاب لکھی تھی۔ ہمارے بزرگوں نے خیر البیان کو "شریر البیان" کے طور پر پہچان کرائی ہے۔

"تذکرۃ الابرار والاشرار" اور "مخزن اسلام" کتاب کے مصنف اخوند درویزہ اپنی کتاب میں اُس دور کے تمام باطل گروہ کے خیالات کو تردید کر کے اس سے مسلمانوں کو بچنے کی اپیل کی۔ اس نے اس دور کے علاقہ غیر کے قبائل میں ارتداد اور بدمذہبی کو آگے بڑھنے سے روکنے سے کافی کوششیں کیں۔

یہ تھا سولہویں صدی کے آخری دہائی کے ہندوستان کا مذہبی ماحول، جس میں اکبر نے دین اسلام سے رُخ بدل کر ماحول کے موافق اور دوسرے کی دیکھا دیکھی میں ایک نئے دین کی بنیاد رکھی، جو دین الٰہی کے نام سے مشہور ہوا، جسے ہم اکبری دھرم کے نام سے پہچانتے ہیں۔

شیخ مبارک کا خطرناک منصوبہ

متذکرہ حالات میں شہنشاہ اکبر علماء سے بیزار ہو گیا تھا اور بدنصیبی سے اُس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کو زیادہ خراب کر دیا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التاریخ" میں اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ بدایوں کے متھورا کے قاضی نے ایک مسجد تعمیر کرانے کیلئے سامان جمع کیا تھا، جس کو وہاں کے برہمن نے راتوں رات اُٹھا لیا اور ایک مندر کی تعمیر میں استعمال کیا۔ جب مسلمانوں نے اس سے اس سامان کی بابت دریافت کیا تو اُس نے اسلام اور اسلام کے عظیم پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخیاں کیں۔ اس پر قاضی عبد الرحیم نے دہلی کے صدر الصدر ملا عبد النبی کی عدالت میں برہمن کے خلاف مقدمہ داخل کر دیا۔ ملا عبد النبی نے برہمن کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن برہمن نے عدالت میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اکبر کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو بیربل اور ابو الفضل کو متھورا بھیجا تاکہ برہمن کو سمجھا بوجھا کو دربار میں لائے اور اس واقعہ کی تحقیقات کیلئے ابو الفضل کو مقرر کیا۔ ابو الفضل نے تفتیش کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس واقعے میں برہمن قصوروار ہے۔ اوّل تو اُس نے مسجد کی تعمیر کی غرض سے جو سامان جمع کیا گیا تھا، اس پر غیر قانونی طور پر قبضہ کیا اور جب مسلمانوں نے مذکورہ سامان واپس مانگا تو برہمن نے اسلام اور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں غیر مہذبانہ الفاظ استعمال کئے۔ مزید یہ کہ جب عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تو اُس نے حاضر ہونے کا صاف انکار کیا۔ اس وجہ سے صدر عبد النبی کافی غصے ہوئے اور برہمن کو سزائے موت دینے کا قصد کیا۔

متھورا کا یہ برہمن مہارانی جودھابائی کا خاندانی پجاری اور گرو تھا، اس لئے اکبر چاہتا تھا کہ یہ معاملہ رفع دفع ہو جائے، لیکن یہ معاملہ روز بروز جڑ پکڑتا گیا اور اس نے نہایت نازک موڑ لے لیا۔ ایک طرف جودھابائی کا اکبر پر دباؤ کہ متھورا کے خاندانی پجاری اور گرو کو عبد النبی کے انصاف سے بچا لیا جائے اور دوسری طرف اکبر عدالتی کاروائی میں دخل اندازی کر کے شیخ عبد النبی کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے یہ معاملہ صدر الصدر عبد النبی پر چھوڑ دیا تھا۔ صدر الصدر نے مقدمے کی تحقیقات کے بعد برہمن کو سزائے موت سنائی۔ اسکے بعد معاملہ کا اثر ختم نہ ہوا بلکہ روز بروز معاملہ کی گرمی بڑھتی گئی۔ ایک طرف دختر راجہاں نے عظیم شہنشاہ ہند اکبر کے کان بھرے کہ اُس نے ملاؤں کو خوب سر پر چڑھا لیا ہے اور وہ شہنشاہ کی خواہشات کا احترام اور پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری طرف صدر الصدر عبد النبی کے مخالفین بھی میدان میں آگئے اور متھورا کے برہمن کے مقدمے کے بارے میں کھلم کھلا نکتہ چینی کرنے لگے۔ انہی ایام میں اکبر کے یوم پیدائش کی تقریب ہوئی۔ اُس وقت شیخ مبارک ناگوری' اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے اکبر کو غمگین دیکھ کر اس کا سبب دریافت کیا، تو اکبر نے متھورے کے برہمن کے مقدمہ اور سزائے موت کی داستان سنائی، اس پر شیخ مبارک ناگوری نے اکبر کو بتایا کہ آپ خود امام عادل اور مجتہد ہیں، اس لئے علماء کے فتوے کی اُسے کوئی ضرورت نہیں ہے،

بلکہ آپ کے فیصلہ کی تعمیل علماء پر لازم ہے اور وہ آپ کے فیصلہ کو بجالانے کے پابند ہیں۔ شیخ مبارک ناگوری کی بات سے اکبر بے حد خوش ہوا اور کوئی منصوبہ تیار کرنے کیلئے اس سے کہا۔

شیخ مبارک ناگوری اس دور کے سیاسی داؤ پیچ کا ماہر چالاک تھا۔ اُس نے اکبر کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایک فرمان نہایت ہی ہوشیاری اور چالاکی سے تیار کیا۔ اکبر کو سب سے بڑا عادل اور سب سے زیادہ ذہین اور سب سے بڑا عالم بتا کر فرمان پر تمام علماؤں کے دستخط کروائے۔

جن ایام میں شیخ مبارک ناگوری اپنے منصوبے کو پروان چڑھا رہا تھا، انہی دِنوں میں خود غرض مشیر ان نے اکبر کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ خلفاءِ راشدین کی طرح دِینی کاموں میں بھی عوام کا رہنما ہے، اس لئے ان کے نقش قدم پر چل کر اسے جمعہ کے دن مسجد میں خطبہ دینا چاہئے۔ اکبر نے ان کی اصلاح پر متفق ہو کر، ۹۸۷ھ میں فتح پور سیکری کی جامع مسجد میں خطبہ دینے کا ارادہ کیا۔ جمعہ کے دن ممبر پر چڑھا مگر اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور زبان لڑکھڑانے لگی۔ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے فیضی کے کچھ فارسی اشعار جیسے تیسے بول کر ممبر سے نیچے اتر گیا۔

شیخ مبارک ناگوری نہایت ہی چالاک آدمی تھا۔ بہت سے لوگ اس کو شیعہ سمجھتے تھے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ان کے پیش رو یمن میں رہتے تھے، جو زیدی شیعہ کا مرکز تھا۔ شیخ مبارک کے دادا شیخ موسیٰ یمن سے سندھ آکر سہون کے قصبہ ریل میں رہائش اختیار کی تھی۔ سندھ اور گجرات اُن دِنوں اسماعیلی اور بوہرا شیعہ کا تبلیغی مرکز بن گیا تھا۔ یوں بھی سہون کے اردگرد کے علاقوں میں لعل شہباز قلندر کے عقیدت مند آباد تھے، وہاں کی اکثریت تفضیلی عقیدہ رکھتی تھی۔ اس طرح شیخ مبارک ناگوری کے آباؤ اجداد طویل عرصے تک شیعہ ماحول میں رہے تھے، اس کا والد شیخ خیزر، ریل سے نکل کر، ناگور آکر رہنے لگا اور، ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک پیدا ہوا تھا۔

لودھیوں کے آخری عرصے میں مرکزی حیثیت کی کمزوریوں کا فائدہ اُٹھا کر راجستھان میں راجپوت نے سر اُٹھایا، اس کے راہنما رانا سانگا تھے، وہ ہندوستان میں رام راج کے قیام کا خواب دیکھتا تھا۔ راجستھان میں مسلم آبادیاں پر حملے ہونے لگے، تو شیخ مبارک ناگور چھوڑ کر احمد آباد آکر رہنے لگا۔ احمد آباد اس وقت اسماعیلی اور بوہرا مسلک کی تبلیغ کا مرکز تھا اور وہاں ایک سے بڑھ کر ایک شیعہ عالم مدرسہ اور دارالعلوم میں تعلیم دینے کا کام کرتے تھے۔ شیخ مبارک اس میں تعلیم حاصل کر کے اور فقہ جعفریہ کی تعلیم لے کر خود مجتہد کے درجہ پر پہنچا تھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ فقہ جعفریہ کا مطالعہ کے بعد شیخ مبارک نے تصوف کا مطالعہ شروع کیا۔ مطالعہ کا شوق اس کو اشراکیت (اسلام دشمنی) کی جانب لے گیا، یہاں اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن فلسفی، فلسفہ کا مطالعہ کرنے کے بعد آسمانی وحی کا قائل رہے، اس کو فلسفہ کی اصطلاح میں سماوی کہتے ہیں

اور جو فلسفی آسمانی وحی کا انکار کرتا ہے، اس کو اشراکی کہتے ہیں۔ شیخ مبارک کے بیٹے ابو الفضل نے اس کو "اشراکی" بتایا ہے، دوسرے ذرائع سے پتا چلا ہے کہ وہ (شیخ مبارک) قرآن کو تبدیل شدہ بتاتا تھا، ابو الفضل کا قول ہے کہ وہ قرآن کو اللہ کے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحریر سمجھتا تھا۔ فلسفہ کے مطالعہ کے بعد شیخ مبارک مشائخ کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور ان سے ستاریہ، جعفریہ اور چشتیہ اور سہروردی سلسلوں کی تعلیم حاصل کی۔

۳۹ سال کی عمر میں آگرہ آیا اور وہاں تعلیم دینے کا کام شروع کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ مبارک کی طبیعت میں اطمینان اور ایک جگہ مقیم رہنا کی کمی تھی، اس لئے وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتا تھا، اس کی تبدیلی پسند طبیعت نے اس کو آگرے میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا، یہاں آتے ہی اس کا تعارف مہدی فرقہ کے رہنما شیخ الائی سے ہوا اور اس کی اس سے دوستی ہو گئی۔ شیخ مبارک کا طور طریقہ اور وضع قطع دیکھ کر لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ وہ مہدوی ہے جب مہدوی فرقے پر اکبر کا عتاب ہوا تو شیخ مبارک اُسے چھوڑ کر حمیدیہ سلسلہ میں شامل ہو گیا۔ اب لوگ اس کو مکمل درویش سمجھنے لگے۔ ہمایوں کے دورِ حکومت میں جب اس کی بہنیں اور بھانجیاں اور ان کے بیٹوں کا رشتہ نقشبندی سلسلہ کے لوگوں سے ہونے لگا، تو شیخ مبارک کا اٹھنا بیٹھنا نقشبندی کے لوگوں کے ساتھ ہوا تو لوگ اس کو نقشبندی سمجھنے لگے۔ اکبر کے دورِ حکومت میں جب قدیم ایرانی مومنین (رافضیوں) کی نقل وحمل دربار میں ہوئی تو شیخ مبارک تقیہ کا لباس اُتار کر اپنا اصلی رنگ اختیار کر کے میدان میں آگیا۔

خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے خواجہ کلاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کی پرورش شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر میں ہوئی تھی، وہ گھر کے پرانے بھیدی تھے، انہوں نے شیخ مبارک کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم لودھی کے دورِ حکومت میں کٹر سُنی، سوری کے زمانے میں مہدوی، ہمایوں کے حکومت میں نقشبندی اور اکبر کی حکومت میں صلح کل کا راہنما بن گیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ شیخ مبارک مختلف وقت میں سُنی، شیعہ، صوفی اور مہدوی کے علاوہ خدا جانے کیا کیا بن گیا تھا!

حقیقت یہ ہے کہ جو آدمی جو تقیہ پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے آپ کو زمانے کی سرکار کا ہم مذہب ظاہر کرتا ہے اور تقیہ کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنے مذہب کو چھپا کر سرکاری مذہب کے مطابق ہو جاتا۔ "اکائی دور شیعہ" کا مصنف لکھتا ہے کہ ہمارا (یعنی شیعہ) عقیدہ ہے کہ تقیہ دین کی ضرورت ہے۔ اس کے قول کے مطابق امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تقیہ میرا اور میرے پیش رو کا دین ہے۔ ایک جگہ شیعوں کے رہنماؤں کا قول اور برتاؤ پر لکھا ہے کہ تقیہ ایک ایسی ڈھال ہے کہ جو شیعہ کا وجود قائم رکھا ہوا ہے، نہیں تو دشمنوں نے اس کو کب کا نیست و نابود کر دیا ہوتا۔

قاضی نور اللہ شاستری اپنی شہرت یافتہ کتاب "مجالس المومنین" میں لکھتا ہے کہ اکثر شیعہ فرقہ کے لوگ تقیہ پر خوب عمل کرتے ہیں۔ مشہور شیعہ عالم شیخ صدوق نے اپنی کتاب "رسالۂ الفیل اعتقاد" میں لکھا ہے کہ تقیہ واجب ہے اور یہ اس وقت تک واجب رہے گا جب تک امام مہدی کی آمد ہوگی۔ اس حوالے میں صاف واضح ہے کہ شیعہ فرقے میں تقیہ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے بلکہ جو تقیہ نہ کرے، وہ دین سے خارج ہے یعنی شیعہ نہیں رہتا۔ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شیخ مبارک ناگوری کے آباؤ اجداد یمنی نسل کے شیعہ تھے۔ اس نے شیعہ ماحول میں تربیت حاصل کرکے اپنے آپ کو مجتہد کے درجے پر پہنچایا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ واقعی شیعہ تھا اور وقت کے لحاظ سے اور مزاج دیکھ کر تقیہ کو اپنایا ہوا تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اکبر کے عبادت خانے میں اپنے مخالفین پر ہمیشہ شیعہ اور اسماعیلی ہتھیاروں سے حملہ آور ہوتا تھا۔ شیخ مبارک کا خاندانی تعلق شیعوں کے ساتھ تھا، اس کا ایک داماد خدوند خان دکنی ایک کٹر شیعہ تھا، شیخ مبارک نے فرمان کے ذریعے اکبر کو امام عادل کے علاوہ مجتہد کا درجہ بھی دے دیا تھا۔ یہاں اس مسئلہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سنّیوں نے سالہا سال سے اجتہاد کا دروازہ بند کردیا ہے لیکن شیعہ کے یہاں ہر وقت مجتہد موجود ہوتا ہے۔

علامہ ابو الجعفر محمد القلبنی الراضی کا شمار اہلِ تشیع کے بلند عالم کے طور پر ہوتا ہے جن کی کتب پر شیعہ مذہب کا دار و مدار ہے اس کی کتاب اصول کافی میں امام باقر کے حوالے سے لکھا ہے کہ (حضرت) جبرائیل جو قرآن حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لے کر آئے تھے، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں اور اب قرآن میں صرف 6,666 آیات ہیں یعنی اس میں سے 10,334 آیات نکال دی گئی ہیں۔ (معاذاللہ)

ملا احمد ٹھٹھوی ایک کٹر شیعہ تھا، جو ہندوستان بھر میں اپنے رافضی عقیدے کا پھیلاؤ کرتا تھا، یہ انسان کھلے عام صحابہ کرام کی شانِ پاک میں بے ادبی اور گستاخی کرتا تھا، جب فولاد خان برلاس نے اُسے قتل کردیا اور لاہور کے مسلمان اس کو کسی بھی قبرستان میں دفن کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ اس وقت شیخ مبارک ناگوری کے بیٹے ابو الفضل اور فیضی کے اثر و رسوخ سے اور کوششوں سے اس کو قبرستان میں دفنا دیا گیا اور اس کی قبر پر پہرا لگا دیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ احمد ٹھٹھوی شروع میں کوئی بکواس کرتا نہیں تھا، لیکن جب اس کی آمد و رفت فیضی کے یہاں ہونے لگی تو کھلے عام تبرا کرنے لگا تھا۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے حد نرم طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی ان کو فیضی کی حرکتوں اور خیالات کا پتا چلا، تو انہوں نے بھی ان حرکتوں اور خیالات کی تردید کی۔

شاہ فتح اللہ شرازی کٹر شیعہ تھا، وہ ابو الفضل کا خاص دوست تھا۔ اکبر کے عبادت خانہ میں نہایت بے باقی کے ساتھ بحث کرتا تھا اور سنّی علماء کی مجال نہ تھی کہ وہ اکبر کی حاضری میں وہاں نماز پڑھ سکیں۔ اس دِنوں میں شاہ فتح اللہ شرازی، اکبر کی حاضری میں امامیہ طریقہ کے مطابق نماز ادا کرتا تھا۔ شیعہ علماء کی صحبت میں رہ کر اور اس کی بے خوف بحث کو سن کر اکبر کے دل میں بھی عظیم صحابہ اور سلف صالین کے خلاف شک پیدا ہو گیا تھا۔ اکبر نے جب "تاریخ فی" لکھنے کا ملا عبد القادر بدایونی کو کہا تو ملا عبد القادر بدایونی نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دوران ہونے والے وقعات تحریر کرنے شروع کر دیئے جس میں کوفہ کی تعمیر، سرکاری عمارتوں کو توڑنا، پانچ وقت کی نماز کا وقت کا تعین، شہر نصیبا کی فتح، اُمّ کلثوم اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح وغیرہ کو تحریر کرکے، اکبر کی خدمت میں پیش کیا ان کو سن کر اکبر غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور ملا عبد القادر بدایونی کو اپنی جان بچانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

اس حقیقت کو دیکھنے کے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ شیخ مبارک ناگوری اور اس کا بیٹا شیعہ تھے جن دِنوں میں شیخ مبارک نے فرمان پیش کیا تھا، اس وقت تک اکبر شیعہ مسلک سے زیر اثر آ چکا تھا اور اس فرقے کے تقریباً تمام عقائد کو تسلیم کر چکا تھا۔ ہم اس کے بعد کے صفحات پر دیکھیں گے کہ اکبر کو امام عادل بنانے میں شیخ مبارک کا اصل مقصد کیا تھا۔

شہنشاہ بابر کے دورِ حکومت میں خلافت ترکستان کی عثمانی نسل میں تبدیلی آچکی تھی اور دنیا بھر کے سنّی سلاطین اس کو خلیفہ تسلیم کر چکے تھے، اس لئے ترکی کے مقابلے میں اکبر خلافت کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق اسلامی دنیا میں ایک وقت میں ایک خلیفہ ہو سکتا ہے، اس لئے شیخ مبارک نے اکبر کو امام بنا دیا تھا۔ یہاں اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ یہ شیعہ عقیدہ کے مطابق خلیفہ کی موجودگی میں امام ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کی خلافت میں حضرت علی شیر خدا اور بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زمانے میں ان کی اولاد میں سے باقاعدہ امام موجود تھے۔ حالیہ زمانے میں سیدھے سادھے سنیوں کیلئے امام ایک عام خطاب کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن شیعہ کیلئے امام کا خطاب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایرانیوں نے اپنے حاکم کو کچھ زبانی خوبیوں سے نواز کر انہیں خدائی حقوق دیئے ہوئے تھے۔ شہنشاہ اکبر کو امام عادل اور امام زماں بنانے کا اصل مقصد یہی تھا کہ اکبر لا تعداد حقوق کا مالک بن جائے۔ اکبر کے کچھ خشامدیوں نے اس کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ وہ صاحب زماں ہے، کیونکہ اِس میں امام مہدی کی کئی نشانیاں موجود ہیں۔ شیخ مبارک کا بیٹا ابو الفضل اکبر کو خلیفۃ اللہ کہتا تھا، جس طرح شیعہ آنے والے امام مہدی کو خلیفۃ اللہ کہتے ہیں اور وہ دنیا میں آکر اللہ کی خلافت قائم کرینگے۔ کچھ خشامدی، کلمہ اسطرح پڑھنے لگے کہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ (معاذ اللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ اکبر کا براہِ راست اللہ سے تعلق ہے یعنی رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی واسطہ یا ذریعہ نہیں ہے۔ (معاذ اللہ)

ابوالفضل اکبر کو ایسے خطاب، خوبیوں اور صفاصات سے نوازا تھا، جس کی کوئی (جڑ) بنیاد نہ تھی۔ امام عادل اور اس کے بعد امام زماں اور اس کے بعد خلیفۃ اللہ ایک خطاب رہ گیا تھا۔ خلاصۂ آفرینش" یہ خطاب دیتے وقت ابوالفضل کے ذہن میں "لولاك لما خلقت الافلاك" کی حدیث ہوگی جس کے فرمان میں کہا گیا ہے کہ اگر نبی آخر زمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا نہیں ہوتے تو اللہ اس دنیا کو پیدا نہیں کرتا یعنی خلاصۂ آفرینش اللہ کے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اکبر اس کیلئے موزوں نہیں تھا، پھر بھی ابوالفضل نے اس کو خلاصہ آفرینش بنادیا تھا۔ "Religion Policy of Akbar" "اکبر کی مذہبی پالیسی" کے مصنف ڈاکٹر احمد بشیر نے لکھا ہے کہ اکبر کے تعمیر کردہ عبادت خانہ میں ہونے والی بحث و تمحیص میں ابوالفضل کی بحث کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ اس نے اکبر کو مہدی بنادیا تھا، اگر ہم اکبر کے متعلق ابوالفضل کے لکھے ہوئے مواد تمام جمع کریں تو یہ بات عیاں ہو جائیگی کہ واقعی اس نے اکبر کو شیعہ یا اسماعیلی امام کی تمام خوبیوں کا مجمع بنادیا تھا۔

شیعہ اور اسماعیلی کے عقائد کے مطابق ان کا امام مادرزاد (یعنی ماں کے شکم سے ہی) ولی ہوتا ہے اور ان کی والدہ، طاہرہ اور معصوم ہوتی ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ابوالفضل نے کہا ہے کہ جب اکبر اس کے والدہ کے پیٹ میں تھا تو اس کی والدہ کو غیبی بشارتیں اور قدسی اشارے ہوئے تھے، یوں لکھنے سے ابوالفضل کا ارادہ اکبر کی والدہ حمیدہ بانو کو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنادینے کی خواہش تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ جن ایام میں اکبر اپنے ماں کے شکم میں تھا، ان ایام میں اس کی والدہ کی حالت عجیب تھی، صاحب زماں اس کی والدہ کے شکم میں تھا، تو ان کا چہرہ پرنور نظر آتا تھا، شیعہ اور اسماعیلی امام مادرزاد ولی ہوتا ہے اور ان کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوتی ہے۔ ابوالفضل نے بھی اکبر کو مادرزاد ولی ظاہر کیا، اس کی پیدائش کو عام بچوں سے مختلف بتایا، اس نے یہاں تک اکبر کے متعلق لکھا ہے کہ اکبر پالنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح باتیں کرتا تھا اور اس کی باتیں دودھ اور کھونوں کے متعلق نہیں ہوتی تھیں بلکہ اس کی باتیں ہر آیت کے متعلق ہوتی تھی، اس کی باتیں سن کر عوام حیران ہو جاتی تھی۔

ابوالفضل نے اکبر کی کرامتوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے، اس نے لکھا ہے کہ جس طرح شیعہ اور اسماعیلی امام کو علم لدنی ہوتے ہیں، اسی طرح اکبر کو بھی علم لدنی حاصل تھا، وہ ایک سال کے واقعات کو لفظ بہ لفظ بتا سکتا تھا، اس کے ہاتھی خانوں میں ایک ہزار ہاتھی تھے، وہ ایک ایک ہاتھی کا نام جانتا تھا، ہاتھیوں کی بات کیا کرنی، ان کے شاہی اصطبل میں ہر گھوڑے اور چڑیا گھر کے ہر جانوروں کے نام وہ جانتا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے مریض جس کا کوئی علاج نہ تھا، اس مریض پر ہاتھ پھیر کر صحت مند کر دیتے تھے۔ اسی طرح امام عادل یعنی اکبر پانی پر پھونک مار کر کسی مریض کو پلاتے تو وہ بیمار صحت مند ہو جاتا تھا اور ہنستا کھیلتا ہوا گھر جاتا رہتا تھا۔

مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ پتا چلاتا ہے کہ شیخ مبارک ناگوری اور اس کی نسل کے چراغ (ابوالفضل) نے شیعہ کے اماموں کی طرح شہنشاہ اکبر کو ان کی صفات سے آراستہ کر دیا تھا اور اکبر کو امام زماں بنا کر لاتعداد حقوق کا مالک بنادیا تھا۔ یہ مذہب کی جڑوں پر کلہاڑی چلانے کی سازش تھی، جس میں اس کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ علماء اور مشائخ کی قوت ٹوٹ چکی تھی، بدعت کا بازار گرم تھا اور حلال اور حرام میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔

اکبر اور ہندو مذہب

ہندوؤں کا اثر

شہنشاہ اکبر کے ہندوؤں کے ساتھ تعلقات اس کی "صلح کلی" کی پالیسی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اوائل عمر سے اس کی اس طرف رغبت تھی جوانی میں انہوں نے مہارانی جودھابائی سے شادی کی تھی، اس کے علاوہ ان کے زنانہ خانے میں کئی ہندو بیویاں تھیں، ان کے ساتھ رہ کر وہ ہندو رسم و رواج کو جان اور سمجھ چکا تھا اور اسلام کے متعلق معلومات کافی کم ہونے کی وجہ سے ہندو دھرم کی بہت سی رسم و رواج کو اپنا چکا تھا، مزید بر آں اُس نے ہندو ادب کی سرپرستی کی تھی اور ان کے مذہبی کتب کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی کروایا تھا، اس فارسی ترجمہ نے مسلمانوں کی سوچ اور عقائد پر کافی حد تک برے اثرات ڈالے تھے اور "ہندو مسلم بھائی بھائی" مزاج کا گروہ وجود میں آگیا تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اُس وقت کے ملا تقی شوشتری، آفتاب کے ساتھ "جلالۃ العظمتہ وعز وشان ہو" بھی لکھتا تھا۔ شہنشاہ اکبر کا ہندوؤں کے ساتھ اچھا خاصا میل جول تھا، خاص طور پر بیربل کے ساتھ اس کے گہرے روابط تھے۔ بیربل نے اکبر کو اسلام سے دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس دوران جنوب کے ایک ہندو برہمن جس کا نام بھاون تھا وہ اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکا تھا، وہ تیزی سے مسلم شہنشاہ اکبر کو کفر کی کھائی کی طرف لے جا رہا تھا۔ ایک شاعر نے کہا ہے کہ "میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا"۔ بھاون نے مسلمانوں کے عقائد کو ہندوؤں کے عقائد سے ملا کر ایک ایسے معجون کا مرکب بنایا تھا جو اکبر کی گمراہی کا باعث بنا۔ اکبر نے کئی ہندو عقائد اختیار کر لئے تھے۔

دوسرے جنم کا عقیدہ

اکبر دوبارہ جنم کو ماننے لگا تھا اور وہ اس دوسرے جنم پر کامل یقین رکھتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں سنتا تھا کہ قدیم زمانے میں اللہ نے فلاں نبی کی اُمت کو نافرمانی کے سبب بندر اور دوسرے جانور بنا دیا تھا، تو میں اس معاملے کو ناممکن سمجھتا تھا، لیکن جب سے دوسرے جنم پر یقین رکھنے لگا ہوں تو میری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ یہ ممکن ہے اور قابلِ اعتبار ہے۔

شیخ مبارک ناگوری کے بیٹے ابو الفضل اور ان کے ہم خیال عقائد رکھنے والے مشہور شیعہ تاریخ دان سر امیر علی کی کتاب "The Spirit of Islam" (دی اِسپرٹ آف اسلام) میں لکھا ہے کہ اس کو ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ شیعہ فرقہ مثال کے طور پر نو امامیہ، خطابیہ اور اسحاقیہ دوسرے جنم میں یقین رکھتا تھا۔ ایک اسماعیلی تاریخ نویس علی محمد جان محمد اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اسماعیلیوں کے کچھ فرقے دوبارہ جنم کو مانتے تھے، اتنا ہی نہیں بلکہ فاطمی کے ماننے والے مصر کے حاکم کو خدا کا اوتار مانتے اور ان کو یارب کہہ کر پکارتے تھے۔ اسی طرح دروزی فرقہ کے مقلد بھی دوسرے جنم پر ایمان رکھتے تھے۔

کتاب آئینہ اکبر، منتخب تواریخ، مخزن اسلام اور تذکرۃ الابرار و الاشرار کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر کی حکومت میں کئی گمراہ دوسرے جنم کے عقائد کو پھیلاتے تھے۔ ہندو اور ہندو مزاج رکھنے والے مسلمانوں کے ساتھ رہ کر اکبر بھی دوسری بار کی پیدائش میں کامل یقین رکھتا تھا اور ان کے بنائے ہوئے اکبری دھرم کو ماننے والوں کیلئے اس عقیدے پر مکمل یقین رکھنا لازمی تھا۔ اکبر کی طرف سے ابو الفضل سب کو دوسرے جنم کے متعلق باتیں سمجھاتا تھا۔

دیویوں اور دیوتاؤں پر اعتقاد

اکبر کو ہندوؤں کے اوتاروں پر کافی عقیدہ تھا اور ان کی پیدائش کے دِنوں کو بڑے منظم طور پر مناتا تھا، اکبر کے متعلق ایک ایسی روایت ملی کہ اکبر 'پرماتما" کی تعریف میں بھجن گاتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ لاتالو اوی دیوی کا بھگت کا مداح اور شیدائی تھا۔ ایک دفعہ ننگے پاؤں اس کے درشن کیلئے چل کر کانگڑا بھی گیا تھا۔ رام اور سیتا کے ساتھ اس کو جس قسم کی عقیدت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس نے ایسے سکے بھی بنائے تھے، جس پر رام اور سیتا کی تصویریں بھی کندہ تھیں۔ مشہور تاریخ نویس اسٹینل لین پول جس نے برطانیہ میوزیم (لندن) میں مغل کے دور کے سکے کی فہرست تیار کی تھی، ان کی پانچویں پلیٹ پر ایک ایسے سکہ کی تصویر ہے جس میں رام تیر کمان لیکر کھڑا ہے اور ان کے پیچھے سیتا ایک لمبا گھونگھٹ نکال کر کھڑی ہے۔(The Mughal Emporior of Hidustan in British Museum)

ہندو جوگیوں سے عقیدت

اکبر کے متعلق یہ مشہور ہے کہ اسے ہندو جوگیوں کی جانب بڑی عقیدت تھی۔ اس نے آگرہ کے آس پاس ایک گاؤں آباد کیا تھا، جس کا نام جوگی پورہ رکھا گیا تھا، جس میں تقریباً تمام جوگی ہی رہتے تھے۔ ریاست کی جانب سے ان کی دیکھ بھال اور رہائش و طعام کی سہولت میسر تھی۔ اکبر اکثر رات کے وقت جاتا تھا اور جوگیوں کے ساتھ ویدانت کے متعلق بحث کرتا تھا۔ اکبر کے کچھ مشیروں نے سمجھایا تھا کہ سنیاسی اور جوگیوں کی عمر عام آدمیوں سے طویل ہوتی ہے، اس کیلئے اس نے ہندو مذہب کی کتب کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا اور ان کے حوالے سے یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی عمر سینکڑوں اور ہزاروں سال کی ہوتی تھی، فطری طور پر اکبر بھی طویل عرصے تک زندہ رہنا چاہتا تھا، اس لئے اس راز کو جاننے کیلئے بھی ان کے پاس جاتا تھا۔

ہندووانہ اعتقادات

(اکبر نے مندرجہ ذیل ہندووانہ اعتقادات اختیار کر لئے تھے)

گائے کے متعلق عقیدہ

ہندو مذہب کی جانب اکبر کا جھکاؤ دیکھ کر ہندوستان کے کونے کونے سے برہمن اور پنڈت اس کے پاس آنے لگے، جو کہتے تھے کہ ان کی قدیم کتب میں لکھا ہے کہ بھارت پر ایک عادل بادشاہ حکومت کرے گا، خوش ہو کر ان پنڈتوں کی بڑی عزت کرنے لگا اوران کے سمجھانے سے وہ گائے کے احترام کرنے کیلئے زور دینے لگا، آئینہ اکبری میں ابو الفضل نے لکھا ہے کہ اکبر گائے کو پاک سمجھ کر اس کی دل و جان سے تعظیم کرتا تھا، ہندو عقیدہ کے مطابق وہ ہر بدھ کے روز اور دیوالی کے وقت گائے درشن کرنے کو سعادت سمجھتا تھا، اتنا ہی نہیں اُس نے گائے کے ذبح پر پابندی بھی عائد کر دی تھی۔ وہ گائے کے ساتھ اس کے گوبر کو بھی پاک سمجھتا تھا۔

سور کے متعلق عقیدہ

کچھ پنڈت اور برہمنوں نے اکبر کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ایک دفعہ بھگوان نے سور کا اوتار اپنا لیا تھا، اسلئے صبح صادق کے وقت وہ سور کا درشن بلا ناغہ کرتا تھا۔ اُس نے اپنے شاہی محل کے قریب کچھ سوروں کو پال رکھا تھا، صبح کو جب جاگتا تو اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کسی نوکر کو بلاتا اور وہ نوکر ہاتھ پکڑ اس کو برآمدہ میں لے جاتا جہاں پہنچ کر آنکھوں کو کھول کر صبح سویرے سوروں کا درشن کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔

گوشت نہ کھانے کا عقیدہ

دختران راجہاں عظیم ہند کے ساتھ رہ کر اور پنڈت، برہمنوں کی صحبت نے اکبر کے ذہن کو اس حد تک بدل دیا تھا کہ وہ گوشت کھانے سے بھی پرہیز کرنے لگا، جب اس نے دین الٰہی نامی مذہب کا اعلان کر کے اپنے مقلد بنانے کا کام شروع کیا تو اُس کو گوشت نہ کھانے کا حکم دیتا تھا اور یوم پیدائش اور ماہ آبان اور ماہ فروردین یہ دونوں ماہ میں گوشت کے قریب نہیں جانے کا حکم دیتا تھا اور اسی طرح اتوار کے روز سورج دیوتا کے احترام میں اور اپنے یوم پیدائش اور سورج اور چاند گرہن کے موقع پر ملک بھر میں گوشت کی فروخت پر پابندی تھی۔ ملک کے کوتوال کی فرض میں یہ بات شامل تھی کہ ان دِنوں میں جانوروں کو قتل نہ کیا جائے۔ راجا دیپ چند منزولا بھی کہا کرتا تھا کہ اگر خدا کے نزدیک گائے قابلِ تعظیم نہ ہوتی تو قرآن مجید کی پہلی سورہ "سورۃ البقرہ" میں اس کو جگہ نہ ملتی!

پیاز اور لہسن سے پرہیز

کرم چند نام کا ایک جین پنڈت مہاراجا بیکانیر کا وزیر تھا۔ اس نے کسی وجہ سے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے کر اکبر کی ملازمت قبول کر لی تھی۔ اس نے جے چند سوری نام کے ایک جین پنڈت سے اکبر کے ساتھ جان پہچان کرائی، اس کے ساتھ مل بیٹھنے سے اکبر پر اس کا کافی اثر ہوا، اسی وجہ سے اس نے پیاز اور لہسن کا استعمال ترک کر دیا تھا۔

سورج دیوتا کی پرستش

ہندوؤں کی طرح اکبر بھی سورج دیوتا کا بڑا احترام کرتا تھا، اس کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ سورج دیوتا شہنشاہوں کا سرپرست ہے، اس لئے اس کا احترام کرنا چاہئے، دیبی نام کا پنڈت نے اکبر کو سورج دیو کو حاصل کرنے یا اُسے خوش کرنے کے منتر سکھایا تھا۔ وہ شب و روز میں چار دفعہ اس کا وِرد کرتا تھا۔ اکبر سورج دیو کی طرف منہ کر کے کھڑا رہتا تھا اور سنسکرت زبان میں ایک ہزار ناموں کو جپتا تھا۔ ایک ہزار نام اُس کے یاد رہ سکیں، اس لئے ملا شیری نے منتر کو نظم میں تیار کر دیا تھا۔ اکبر سورج دیوتا کے ایک ہزار ناموں کی جپ (پڑھ) کر دونوں کان پکڑ کر ایک چکر لگاتا تھا اور اس کے بعد اپنی گردن پر ایک مکہ لگاتا تھا، اکبر کی آفتاب پرستی کے باعث کچھ "صلح کل مزاج" مسلمان بھی اس کی پیروی کرنے لگے۔ ملا تقی شوستری ایرانی نسل کا تھا، اس کے آباؤ اجداد صدیوں سے آگ اور سورج کی پرستش کرتے تھے۔ کوئی عالم اس کے قول پر اعتراض کرتا تو وہ اس کو قرآن پاک کا حوالہ دے کر قرآن پاک کی سورہ والشمس کا ذکر کرتا اور کہتا تھا کہ اگر شمس (سورج) احترام کے قابل نہ ہوتا تو قرآن مجید میں ان کا ذکر کیوں ہوتا؟! اکبر کے تمام مشیر چاہے وہ ہندو یا مسلمان ہو ایک جیسی سوچ رکھتے تھے۔

آگ کی پرستش

سورج کی عظمت نے اکبر کو آتش کی تعظیم سکھادی تھی اور اس نے ابو الفضل کو حکم دیا تھا کہ وہ انتظام کرے کہ شب و روز مسلسل آتش کدہ میں آگ جلتی رہے۔ ابو الفضل خود بھی آتش کا احترام کرتا تھا۔ وہ آگ کو تمام حس کی ماں سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے اکبر چراغ کا بھی احترام کرنے لگا تھا۔ ہر روز شام کے وقت جب شاہی دربار میں چراغ روشن ہوتے تو اس کے احترام میں اکبر اور اسکے درباری کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُسوقت اگر وہ حرم میں ہوتا تب ایک خادم سونے کے بارہ تھالیوں میں چراغ رکھ کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اکبر اس چراغ کی آرتی اُتارتا تھا، اس دوران خادم آگ کی تعریف میں بھجن گاتا تھا اور وہ اس کیلئے دعا کرتا تھا۔ ابو الفضل اکبر کو سمجھتا تھا کہ اگر نورِ الٰہی کُل ہے تو چراغ کی لو اور شعلہ اُس کا ایک حصہ ہے اس لئے اُس کا احترام کرنا لازمی ہے۔

آتش کے احترام نے اکبر کو آتش پرستوں کا عقیدت مند بنادیا تھا۔ ایک دفعہ گجرات کے سفر کے دوران سورت شہر کے قریب اس کی ایک ملاقات پارسی گرو دستور جی مہر جی راناسے ہوئی۔ اکبر نے اُسے دربار میں آنے کی دعوت دی اور اُس نے خوشی کے ساتھ قبول کرلی۔ کچھ عرصے کے بعد نوساری گاؤں (گجرات) سے پارسیوں کا وفد دستور جی راناکی سرپرستی میں اکبر کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس کے دلائل سن کر اکبر آگ کا احترام کرنے لگا اور اس کا یہ عقیدہ اور مستحکم ہوا۔ شاہی محل میں ایک آتش کدہ پہلے ہی سے تعمیر ہوچکا تھا، اب اکبر نے کرمان سے آتش پرستوں کی ایک جماعت کو فتح پور سیکری بلوایا، اس جماعت میں اردیشر نام کا ایک آتش پرست بھی تھا۔ یہ سب لائحہ عمل دیکھ کر بہت سے لوگ یہ ماننے لگے کہ اکبر نے پارسی مذہب قبول کرلیا ہے۔

زنّار باندھنا

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور اور تسلیم شدہ کتاب اشعۃ اللمعات میں تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کوئی بت کے سامنے جھکے یا زنّار باندھے، یہ بے شک کافر ہے۔ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ سب شہنشاہ اکبر کے ظاہر کاموں کو دیکھ کر لکھا تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب انفاس العارفین میں اکبر کے متعلق تحریر کیا تھا کہ وہ ملحد ہوچکا تھا اور وہ زنّار کا جیسے طریقے اپنا چکا تھا اور اس وقت کے عظیم عالموں اور محدثوں کے ایسے مبین اور کھلی رائے کے بعد کون سا مسلمان ہے جو شہنشاہ اکبر کے کافر ہونے پر شک کرے؟

درشن نیہ پر اعتقاد

اکبر کے دورانِ حکومت میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا وہ یہ تھا کہ اکبر شہنشاہ کا مشہور وزیر راجا ٹوڈول جو کٹر ہندو تھا، وہ جب تک پوجا پاٹ سے فارغ نہیں ہو جاتا، اُس وقت تک اناج کا دانا بھی منہ میں نہیں ڈالتا تھا۔ سفر یا کہیں جاتا تب بھی ٹھاکر (یعنی بھگوان کشن) کی مورت اس کیساتھ رہتی۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ سفر کی روانگی کی تیاری میں تھا، وہ تھیلا جس میں ٹھاکر رکھا ہوا تھا کہیں بھول گیا یا کوئی پیشوں کا تھیلا سمجھ کر اُسے اٹھا کر لے گیا۔ راجا ٹوڈول کو صبح پوجا کیلئے ضرورت ہوئی اور وہ تھیلا نہیں ملا تو اس نے پوجا پاٹ کے بغیر کوئی چیز کو چھونے سے انکار کر دیا اور سرکاری کام سے بھی دور رہا۔ ٹھاکر کی چوری کی خبر پورے کیمپ میں پھیل گئی۔ اکبر کو اس واقعہ کا پتا چلا تو اس نے راجا ڈول کو کہا بھجوایا کہ اگر ٹھاکر غائب ہو گیا ہے تو کوئی فکر کی بات نہیں، تمہارا "ان داتا" میں ہوں، میرے درشن کرکے کھانا کھالو۔ اس واقعہ سے یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ اکبر اپنے آپ کو کوئی دیوتا سے کم نہیں سمجھتا تھا۔

اکبر کے دورِ حکومت میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو "درش نیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ درش نیہ کے ماننے والے جب تک اکبر کے درشن نہیں کر لیتے تھے، اس وقت تک منہ میں مسواک نہیں لیتے تھے اور نہ کچھ کھانا کھاتے تھے۔ اکبر جب درشن کے جھروکے میں آکر درشن دے کر دعا دیتا۔ اس کے بعد مقلد کھانا کھاتے تھے، یہ طریقہ اکبر نے پرتگیزوں سے سیکھا تھا، جس میں اس نے معمولی سا رد و بدل کیا تھا۔ یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کے درشن کرنے والوں میں ہندو اور مسلمان بھی شامل تھے۔

دیگر ہندووانہ رسمیں

ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اکبر ہندوؤں کی بہت سی رسموں کو اپنا چکا تھا، وہ اپنی پیشانی پر برہمن اور پنڈتیوں کی طرح قشقہ (ٹیکا) لگاتا تھا اور "راکسا بندھن" (راکھی بندھن) کے دن راکھی بھی ہاتھ پر بندھواتا تھا۔ جب اکبر کی ماں کا انتقال ہوا تو اُس نے ہندو رسم ورواج کے مطابق بھدرا بھی کرایا تھا، ان رسموں کی ادائیگی میں درباریوں چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان سب اس میں شامل رہتے تھے۔ شیخ مبارک ناگوری کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابو الفضل نے اپنے والد کیلئے بھدرا کی رسم ادا کی تھی اور سر بھی منڈوایا تھا۔

ستاروں اور ان کے رنگ اور ان کے اثرات کی تعلیم اس نے دیبی نام کے برہمن کے پاس سے لی تھی۔ قانونِ ہمایوں کے مصنف نے بتایا ہے کہ ہمایوں بھی ستاروں کے اثر کو مانتا تھا اور وہ ہفتہ کے سات دِنوں میں مختلف ستاروں کے رنگ کے مطابق لباس بھی پہنتا تھا۔ اس طرح اکبر کو بدعت اپنے والد سے وِرثے میں ملی تھی۔

ہندوؤں میں سود لینا دینا دونوں جائز ہے۔ اسلام میں سود کا لین دَین دونوں بالکل حرام ہے، لیکن اکبر نے سود کی لین دین کی اجازت دی ہوئی تھی۔ ہندوؤں کے تہوار یوم پیدائش کشن اور دیوالی میں قمار بازی کی چھوٹ دی ہوئی تھی۔ اتنا ہی نہیں اس نے ریاست کی طرف سے ایک قمار خانہ بھی بنایا ہوا تھا، جس میں جواری کو جوا کھیلنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اور بوقتِ ضرورت جواریوں کو سرکاری خزانے سے رقم اُدھار دینے کا انتظام تھا۔

ہندو مذہب میں قریب کے رشتے داروں سے شادی نہیں ہوسکتی، اس لئے اکبر نے حکم جاری کیا تھا کہ آئندہ مستقبل میں کوئی مسلمان اپنی خالہ زاد یا چچازاد کی بیٹی یا بیٹے سے نکاح نہیں کر سکتا۔ خدا ایک اور بیوی ایک کے اصول کو بھی اپنایا ہوا تھا، جبکہ یہ اصول اس پر لاگو نہیں ہوتا تھا۔ اگر شیخ مبارک ناگوری، ابو الفضل، فیضی، ابو الفتح گیلانی، پنڈت بھاون، پرسوتم داس، بیربل اور دیبی برہمن وغیرہ زیادہ زندہ نہیں رہے تھے، اگر وہ زیادہ زندہ رہتے اور اکبر کو زندگی کے کچھ دن اور مل جاتے تو شاید وہ اجتہاد سے چار پانچ بھائیوں کیلئے ایک بیوی رکھنے کا حکم بھی جاری کر دیتا!

اکبر کی ہندو رانی پردہ نہیں کرتی تھی، اس لئے ایسا حکم بھی جاری کیا گیا تھا کہ اب مسلمان عورتوں پر بھی پردہ کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ اکبر کے دورِ حکومت میں مسلمان عِلموں کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اُس نے شریعت کے علموں کے بجائے نجومی، فلاسفی، حساب دان اور تنجی علم والوں کو اہمیت دی تھی اور ان علوم کی سرپرستی اور پشت پناہی کی تھی۔ اُس وقت اسلامی تعلیمی ادارے، ان کے اساتذہ اور طالب علم بہت محتاج اور بے بس ہو گئے تھے۔ ان کی اولاد علم میں نام روشن کرنے کی بجائے گنڈا گیری میں نام پیدا کرنے لگی۔ یہ تمام حقیقت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور کتاب "مکتوبات" میں تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔ جب شریعت کا علم سیکھنا بالکل بند کر دیا گیا تو پھر قاضی کہاں سے بنتے؟

اکبری دھرم

اکبر ایک صلح کل شہنشاہ تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اسلام میں جتنے فرقے ہوئے ہیں، اس سب کو مٹادیں گے لیکن وہ یہ کر نہ سکا بلکہ اس نے ایک اور فرقہ کا اضافہ کیا، وہ فرقہ دین الٰہی کے نام سے ہندوستان میں جانا پہچانا لگا، جس کو اہم اکبری دھرم یا اکبری مذہب سے پہچانتے ہیں۔ اس دین میں حسبِ ذکرہ رسومات شامل تھیں۔ علاوہ ازیں اکبر نے اپنے درباریوں کو حکم کیا تھا کہ سب ماہِ رمضان میں اس کے سامنے کھائیں اور پئیں، دربار میں آنے والے اگر منہ میں پان کے بیڑے رکھ کر آتے تو ان کو شاباشی دیتا تھا اور رمضان کے دِنوں میں دربار میں روزہ رکھ کر آنے والوں کو باہر نکال دیا جاتا تھا۔

اکبری حکومت میں مسلمانوں کی حالتِ زار بہت ہی قابلِ رحم تھی، ان کی مساجد اور مدارس محفوظ نہیں تھے۔ ان کے دین اور ایمان مسلسل خوف کے ماحول میں پرورش پا رہے تھے۔ ایسا نازک وقت تھا کہ اُس زمانے میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا مردِ مجاہد بھی امام مہدی کا انتظار کرنے لگے تھے۔

شیخ مبارک ناگوری کس قسم کا آدمی تھا اس کا تفصیلی جائزہ اس سے پہلے تحریر کیا جاچکا ہے۔ اس کا بیٹا ابو الفضل اس جیسا ہی تھا، وہ اکبری دربار میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کیلئے کئی طرح کی سازشیں کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتا تھا۔ ان کی ظاہرانہ اسلام کے خلاف حرکتوں کے باوجود کچھ اس کو مسلمان کے دائرے میں رہنے کا اصرار کرتے تھے، اس کے دلائل میں کہتے تھے کہ ابو الفضل "مسنوی نزدئی" کی ابتداء میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شان میں تعریف کے جو الفاظ لکھے تھے وہ ان کیلئے کٹر مسلمان ہونے کا ثبوت ہے، لیکن حقیقت میں اس میں سچ کا کوئی جز نہیں ہے اگر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت لکھنا مسلمان ہونے کی دلیل ہے تو موجودہ دور کے مشہور ہندو شاعر جیسا کہ مہاراجا سر کشن پرساد "شاد"، سندر جی، پنڈت تربھوون داس "زار" اور ایسے دوسرے شاعروں نے بھی اسلام کے بارے میں قابلِ قدر اشعار لکھے ہیں ان کو بھی مسلمان کہا جائے؟ اصل بات یہ ہو رہی ہے کہ اکبر نے ہندوؤں کی بہت سی رسوم کو اپنالیا تھا۔ تذکرۃ العمرہ کے مصنف کیول رام نے لکھا ہے کہ جب شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کی شادی بھگوان داس کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تو اکبر نے ایسا لباس پہنا تھا جو اُس روز کے ستارے کے رنگ کا تھا۔

غیر اسلامی مذاہب کا پھیلاؤ

بھگتی مذہب / بھگتی تحریک

بھگت کبیر ۱۴۴۰ء میں ایک ہندو گھر میں پیدا ہوا، لیکن ان کی پرورش ایک مسلمان جلاہا کے گھر میں ہوئی، اس وجہ سے اس میں ہندو سوچ پر اسلامی رنگ زیادہ تھا۔ اس کے قول کو دھیان سے مطالعہ کریں تو حقیقت آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ مختلف مذاہب کے لوگ جن کو مذہب نے ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا تھا، ان کیلئے وہ ایک ایسی حالت پیدا کرنا چاہتا تھا کہ وہ یعنی مختلف مذاہب کے لوگ مل جل کر رہیں اور اس کوشش نے کسی حد تک اس چیز کو دور کر دیا جو ہندو اور مسلمان کو دور رکھتی تھی۔ کبیر نے ایک ایسا مذہب کا پھیلاؤ کیا جو بنیادی طور پر باہمی حسد اور نفرتوں کے بجائے محبت اور بے غرضی پر مرکوز ہو۔ اُس نے اسلام اور ہندو مذہب کے وہ اصول جو اس کی تعلیم کے خلاف تھے، اُن کو ٹھکرا دیا تھا۔ شہنشاہ اکبر نے اس اصول کی پیروی کی کہ اسلام و ہندو مذہب کی ایک درمیانی راہ نکالی جائے اور اس کو دین الٰہی کا نام دیا۔ ڈاکٹر کانوگو نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اکبر سے گاندھی تک جس نے بھی ہندو مسلم اتحاد کیلئے کام کیا، اُس نے کبیر کی تعلیم کو مشعلِ راہ بنایا۔ مسلمان کبیر کو صوفی سمجھتے تھے۔ کچھ افراد کی رائے ہے کہ محی الدین اکبر بن عربی، ہندو مسلمان لکھنے کی بجائے موحد کی لکھتا تھا۔ سلطان سکندر لودھی کبیر کو اپنے آخری ایام میں بنارس سے نکال دیا تھا، اس لئے وہ وہاں سے نکل کر ہر جگہ گھومتا رہتا تھا۔ اس کا انتقال ۱۵۱۸ء میں گورکھپور کے قریب کے ایک گاؤں میں ہوا تھا۔

کبیر کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اور پوتوں نے اس کے مشن کو جاری رکھا۔ اس کی اولاد میں دھرم داس نام کا ایک بیٹا اہم تھا، جس نے جبل پور کے نزدیک پانڈو گڑھ میں ایک مٹھ (مندر) کی تعمیر کی تھی جس کو اس نے کبیر مسلک کا روحانی مرکز بنایا تھا، جہاں کبیر مسلک کے مبلغ تعلیم حاصل کر کے ملک کی مختلف جگہوں پر تبلیغ کیلئے نکل جاتے تھے، لیکن کبیر کے مشن کو ان کے مبلغ سے زیادہ گرونانک نے زیادہ منظم طور پر پھیلایا، کبیر کے اقوال کو گرنتھ صاحب میں بھی شامل کیا تھا۔ دسویں گرو گووند سنگھ نے کہا تھا کہ کبیر مسلک اب خالسا مسلک میں شامل ہو گیا ہے۔

دھنّا نام کے ایک جٹ نے بھی بھگتی تحریک میں اچھا خاص اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اس کے قول کو گرونانک نے گرنتھ صاحب میں شامل کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دھنّا کی تقریر لوگوں کیلئے بڑی اثر انگیز ہوتی تھی۔ دھنّا کی طرح نام دیو کے نام کے ایک مراٹھے نے بھی بھگتی تحریک میں بھرپور حصہ لیا تھا، وہ اپنی مادری زبان مراٹھی اور ہندی زبان دونوں کو اپنی تبلیغی کاموں میں استعمال کرتا تھا۔ اس دور میں مہاراشٹر اور پنجاب اس کی تبلیغ کے مرکز تھے، اس کے انتقال کے بعد اس کے اقوال کو گرونانک نے گرنتھ صاحب میں شامل کرلیا تھا۔ نام دیو کے بعد اس تحریک میں "ایک ناتھ" نام کے برہمن کا نام آتا ہے۔ خوبی کی بات یہ تھی کہ وہ برہمن ہونے کے باوجود ذات پات کا سخت مخالف تھا۔ اس نے ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوششیں کی تھیں، وہ شہنشاہ اکبر کے ہم عصر تھا۔ دادو کا بھی شمار کبیر کی طرح بھگتی تحریک میں ہوتا ہے، دادو بھی کبیر کا ہم عصر تھا، اس کے انتقال کے بعد باون پیرو ملک بھر میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے ہر جگہ "دادو دور (باپ دادو)" بنائے صوفیاء کے ساتھ ان کا اچھا خاصا ملاپ تھا۔

گرونانک کا شمار ہندوستان کے مصلح پسند میں ہوتا ہے، ۱۴۶۹ء میں تلوڈی میں پیدا ہوئے، جوانی میں انہوں نے دنیا کی لذتیں ترک کردی تھیں، ان کا انتقال کرتارپور میں ہوا تھا۔ گرونانک کو پٹھان حکمرانوں سے نفرت تھی، وہ ان کے ظلموں کا تذکرہ جگہ جگہ کرتے تھے، اسی سبب ابراہیم لودھی نے انہیں جیل میں ڈال دیا تھا۔ سزا پوری ہونے کے بعد وہ پھر سے اس کی رٹ لگانے لگا تھا، اس لئے بار بار اُسے جیل خانے میں جانا پڑا۔ گرونانک اپنے ہم عصر بھگت کبیر کی طرح ملا اور پنڈتوں کا مخالف تھا، اس کا کہنا تھا کہ ملا اور پنڈت، قرآن اور ویدوں کی تاویل کرتے ہیں۔ کبیر کی طرح گرونانک نے بھی ہندو اور مسلمان کے درمیانی راہ نکالی اور ایک نیا مسلک، سکھ مسلک نکالا، سکھ مسلک کے متعلق اکبر کے خیالات اچھے تھے اور وہ سکھ گرو امرداس کی ملاقات بھی کی تھی اور ملاقات کے بعد اس کو ایک تحفہ میں جاگیر بھی دی تھی۔ آج اس جگہ ہرمندر (دربار صاحب امرتسر) بنا ہوا ہے۔

دینِ الٰہی پر بھگتی تحریک کا اثر

بھگت کبیر اور گرو نانک دونوں لودھی اور مغلوں کے ابتدائی دور میں سرگرم تھے۔ اکبر جب تخت نشین ہوا تو مذہبی سرگرمیاں خوب زور و شور پر تھیں۔ الگ الگ مسلک کے رابطے میں آنے اور انکے قول سن کر اکبر ان سے نفرت کرنے لگا۔ اس کو ایسا لگتا تھا کہ پنڈت اور ملا دونوں مذہب میں اختلاف پیدا کر کے اپنی پیٹ پوجا کر رہے ہیں۔ اس لئے کبیر اور گرو نانک کی طرح درمیانی راہ سوچی، جس کو دینِ الٰہی نام دیا۔ اس کی صلح کل کی پالیسی نے ملک میں ایک نیا ماحول پیدا کر دیا۔ جب گرو امر داس نے "ہر مندر دربار صاحب" کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو ان کی سنگِ بنیاد کی تقریب کیلئے لاہور سے حضرت میاں میر کو دعوت دی۔ اِس مردِ حق نے اس کی سنگ بنیاد کی تقریب اپنے ہاتھوں سے انجام دی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا کہ جو کفر اور اسلام میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ یہ لوگ صوفی، مجذوب اور کندروں کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کی باتوں نے عوام کو متاثر نہ کیا، ان کو سن کر وہ انہیں فراموش کر دیتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اکبر کے طور طریقوں سے عوام متاثر تھی۔ الناس علیٰ دین ملو کھم کی طرح شہنشاہِ وقت کی ہر کوئی پیروی کرنے لگا تھا۔ مسلمان نے اپنے زورِ بازو سے ہندوستان پر فتح حاصل کی تھی، گزشتہ چار صدیوں سے یہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بچتے رہے۔ بھارت کو دارالاسلام سمجھتے تھے اور اس ملک میں مسلمانوں کی اقتدار اعلیٰ کیلئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ اکبر نے کبیر اور گرو نانک کے نقش قدم پر چل کر صلح کل کی پالیسی اپنائی اور مسلمان کی فضیلت اور برتری کو ختم کر دیا اور ہندوستان کو دارالاسلام سے تبدیل کر کے اسے غیر مذہبی ریاست Secular State بنا دیا تھا۔ اکبر کے اس کردار سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمان کے حق کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی کمی آج تک پوری نہیں ہو سکی۔

عیسائیت کی تبلیغ

جن دنوں میں اکبر نے صلح کل کا طریقہ اپنایا ہوا تھا اور اس کے دربار میں ہر مذہب اور ملت کے مبلغ آنے لگے، انہی دنوں میں پادریوں کی آمد ہوئی ڈیجیرک نام کے ایک انگریز نے لکھا ہے کہ اکبر نے خود گووا کے پرتگیزی حاکم کو لکھا تھا کہ وہ اپنے کچھ عیسائی پادریوں کو دربار میں بھیجے، اس پر پرتگیزیوں نے کچھ زبان دراز پادریوں کو فتح پور سیکری بھیجا۔ اکبر کو کسی نے بتایا کہ پرتگیزیوں نے تورات اور انجیل کا فارسی زبان میں ترجمہ کر لیا ہے، اس پر اس نے وہ تراجم منگوائے۔ جب پادریوں کا ایک وفد دربار میں پہنچا تو اس کا شاندار استقبال کیا گیا اور ان کی باتیں خوب دھیان سے سنی گئیں اور عیسائیوں کو یہ محسوس ہوا کہ شہنشاہ اکبر مستقبل قریب میں عیسائی مذہب اپنالے گا۔ (دی مغل اینڈ دی پرتگیز)

عیسائی پادری اکبر دربار میں قرآن مجید کا فارسی ترجمہ بھی لے گئے تھے تاکہ اس میں سے وہ قرآن کی کوتاہیوں، غلطیوں اور اخلاقی باتوں کی وضاحت کر سکیں۔ عیسائی پادریوں نے اکبر کو اسلامی قانون میں ملاوٹ کر کے یہ بتایا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا بتایا ہوا قانون جھوٹ کا پلندا ہے (معاذ اللہ)۔ انہوں نے اکبر سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ اپنے حکومتی علاقوں میں قرآن مجید کی تعلیم پر پابندی لگا دے کیونکہ وہ غلطیوں میں بھرا پڑا ہے۔ قرآن پاک کے متعلق ابو الفضل کے تقریباً ایسے ہی خیالات تھے، جہانگیر ایک موقع پر کہتا تھا کہ ابو الفضل میرے والد کو یہ سمجھاتا تھا کہ قرآن مجید الہٰی وحی نہیں بلکہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق ہے۔

اکبر نے اس کے بعد عیسائی پادریوں کو لاہور میں گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دی، اتنا ہی نہیں ان تعمیرات پر ہونے والے تمام اخراجات شاہی خزانے میں سے ادا کیے گئے۔ جب آگرہ میں گرجا گھر تعمیر ہوا تو اکبر وہاں گیا اور عیسائیوں کے ساتھ ان کی عبادت میں شامل ہوا تھا۔ اس نے عیسائیوں کے دستور کے مطابق اپنی پگڑی اُتار کر رکھ دی تھی اور گھٹنے پر بیٹھ کر دعا مانگی تھی۔ ایک وہ بھی دور تھا جب وہ اپنے شہزادہ سلیم (جہانگیر) کو ملا عبد النبی کے گھر حدیث کا درس سننے کیلئے بھیجتا تھا اور اس کے بعد یہ دن بھی آئے کہ اس نے اپنے شہزادہ مراد کو حکم دیا تھا کہ وہ پادریوں کے پاس بیٹھ کر انجیل (بائبل) کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرے۔

اکبر کے دربار میں کچھ زبان دراز پادری قرآن پاک، اسلام کے آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کھلے عام بے ادبی اور گستاخی والے الفاظ استعمال کرتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتے تھے۔ عظیم اصحاب کی شان میں بھی توہین کرتے تھے۔ اس کے باعث کچھ مسلمان امراء اُکتا گئے تھے اور بات بات میں لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے، اس لئے اکبر نے عیسائی پادریوں کی حفاظت کیلئے سپاہیوں کا انتظام کیا تھا۔

عیسائی پادریوں کی آمد ورفت اور ان کی اختلافی اور نزاعی گفتگو سن کر اکبر کے دل سے قرآن اور آخری پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام جاتا رہا، اسی وجہ سے قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم پر پابندی لگادی تھی اور اس کی جگہ حساب، نجوم، منطق، جیسے علوم پڑھنے سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ان کے دل سے بالکل نکل گئی تھی، وہ احمد، محمود اور مصطفیٰ جیسے نام رکھنے والے کے ساتھ ناخوشی کا اظہار کرتا تھا۔ کلمہ شریف میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک نام نکال کر شاہی محلوں میں یہ کلمہ لکھوادیا کہ "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ"۔

نقطوی تحریک اور اکبر

اکبر کو گمراہی کے گڑھے میں ڈالنے والوں میں ابو الفضل کا نام سب سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ اس کے والد شیخ مبارک ناگوری کے مسلک کے متعلق پڑھ چکے ہیں کہ وہ شیعہ تھا، لیکن ابو الفضل ملحد تھا اور اس نے شریعت کے خلاف فتوے دینے شروع کردیئے تھے۔ ابتداء میں ابو الفضل کے دل میں دینِ اسلام کی جانب کچھ شک وشبہات پیدا ہوئے جن میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا اور آخرکار اس نے اسلام کا کھلم کھلا انکار کردیا تھا اور دہریت کی کھائی میں جاگرا۔ خواجہ کلاں عبید اللہ شریف آملی، ابو الفضل کی گمراہی کا بڑا سبب بتایا تھا۔ شریف آملی کے متعلق یہ مشہور تھا کہ محمود پسی خوانی کا پیروکار تھا اور اس کا شمار نقطوی فرقے سے تھا۔ محمود پسی نے دسویں صدی میں ایران اور ہندوستان میں ہزاروں لوگوں کا ایمان اور عقیدہ خراب کردیا تھا۔ ایران میں یہ فرقہ اتنی حد تک پھیلا کہ ان کے مقلدوں کی تعداد ہزاروں میں پہنچ گئی تھی اور ایران کے شاہ عباس کا تخت اس کے باعث ڈولنے لگا تھا۔ ایران کے شاہ نے اپنے تخت اور تاج کو خطرے میں دیکھ کر ہزاروں نقطویوں کو موت کے گھاٹ اُتاردیا، اس میں سے بہت سے اپنی جان بچاکر ہندوستان بھاگ آئے اور یہاں اپنے مسلک کی تبلیغ کرنے لگے۔ اس میں ایک شریف آملی بھی تھا، جس کو ابو الفضل کا دایاں ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر نظام احمد (صدر شعبہ فارسی، علی گڑھ یونیورسٹی) اور تہران یونیورسٹی کے پروفیسر صادق کے قول کے مطابق نقطوی فرقہ کے بانی محمود پسی خوانی، گیلان کے ایک گاؤں پسی خوان کا رہنے والا تھا۔ بچپن ہی سے اس کے دل میں علم حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ ان دنوں میں ایران میں فضل اللہ اُستر آبادی اور فرقہ حورونی کی خوب بحث چل رہی تھی۔ محمود پسی خوانی اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے تعلیم لینا شروع کردی، لیکن کچھ مسائل پر اختلاف ہونے پر وہ اس سے الگ ہوگیا اور اس نے نقطوی فرقہ کی بنیاد رکھی۔

محمود پسی خوانی کے مخالفین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابتداء میں بڑا پرہیز گار اور متقی تھا۔ اس کا روز کا یہ معمول تھا کہ آبادی سے دور تنہائی میں جا کر وہاں عبادت کرتا تھا اور درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر وقت گزارتا تھا، ایک دن وہ ندی کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کر رہا تھا، ایسے میں کوئی چیز پانی میں بہتی ہوئی آئی۔ اس نے اُسے دیکھا تو وہ ایک گاجر تھی۔ اُس نے اپنا ہاتھ لمبا کر کے اس کو اٹھالیا، وہیں بیٹھا بیٹھا کھا گیا۔ اس کے بعد تقریباً ہر روز اسی جگہ ایک گاجر ملتی اور وہ اُسے کھا جاتا تھا اور بہت خوش ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے رزق کا انتظام کر دیا ہے۔ یوں دو مہینے گزر گئے۔ ایک دن اس کو خیال آیا کہ ہر روز یہ گاجر کہاں سے آتی ہے، اس کو دیکھنا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ ندی کے کنارے کنارے چلنے لگا، کچھ فاصلے پر گیا تھا کہ اتنے میں اس کی نظر ایک برہنہ عورت پر پڑی، وہ ندی کے کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک گاجر تھی، جس کو اپنے اندام نہانی میں کئی بار ڈال کر نکالتی تھی اور اس کے بعد گاجر کو ندی کے بہاؤ میں پھینک دیتی تھی۔ محمود پسی خوانی یہ نظارہ دیکھتا ہی رہ گیا اور اس کے دل میں بھاری چوٹ لگی، وہ آسمان کو دیکھ کر بول اُٹھا کہ یا خدا تُو نے اپنے مخلص بندے کو ایسی چیز کھانے کو دی۔ اس واقعہ کے بعد اس کو اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو گیا اور الحاد اور زنادقہ کی تبلیغ میں مصروف ہو گیا۔ اسکے بعد اُس نے اپنے عقیدے پر تیرہ کتب تحریر کیں، جس میں بحر و کزہ (سمندر اور کجا) سب سے خطرناک ہے۔ محمود پسی خوانی کے لعنتی پیروکار میں ایک شخص شریف آملی تھا، جو شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں آکر ابوالفضل کا دایاں ہاتھ بن کر اپنے مذہب کی نشر و اشاعت کرنے لگا۔ وہ نقطوی فرقہ کا سرگرم رکن تھا، جب وہ ایران سے بھاگ کر بلخ آیا اور مولانا محمد زاہد خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی اور وہاں صوفیاء کی طرح رہنے لگا۔ اس کے مزاج میں جو کہ درویشی کا جز نہ تھا، اس لئے وہ ایل فیل (بک بک) بکنے لگا، اس کے بعد مولانا محمد زاہد نے وہاں سے نکال دیا۔ وہاں سے وہ ہندوستان کے جنوبی علاقے میں آیا۔ اُس دور میں یہاں شیعہ فرقہ کا غلبہ تھا۔ انہوں نے شریف آملی کو پہنچا ہوا عالم سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ فطری طور پر خبیث تھا، لیکن وقت کو پہچان کر شیعہ لباس پہن لیا اور ان کی آڑ میں اپنے عقیدہ کی تبلیغ کرنے لگا، جب لوگوں کو اس کے عقیدے کا پتا چلا تو لوگ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ وہ وہاں سے جان بچا کر دہلی آیا۔ اکبر سے ملاقات ہوئی۔ اکبر اس کی شعلہ بیانی پر فریفتہ ہو گیا اور اس کو انعام دے کر خاص مشیر میں مقرر کیا۔ یہاں اس کی دوستی ابوالفضل سے ہوئی۔ اب دونوں خبیث ایک ہو گئے۔ اکبر کے دربار میں اس کی بڑی عزت و اکرام تھا، اس وجہ سے عوام میں ان کا رعب اچھا خاصا ہو گیا تھا۔ اکبر اس کو پیر و مرشد کی طرح مانتا تھا۔ ایران سے بھاگ کر ہندوستان آئے ہوئے نقطوی کو اس کی سفارش سے اکبر کے دربار میں آسانی سے ملازمت مل جاتی تھی۔

نقطوی فرقے کے عقائد

- نقطوی فرقے کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمود پسی خوانی تک آٹھ ہزار سال کی مدت ہوئی، یہ دور عربوں کی رہنمائی کا دور ہے، کیونکہ اس دور میں پیغمبر آئے وہ عرب علاقے میں آئے۔ اب یہ دور ختم ہو گیا۔ اب آٹھ ہزار سال تک جتنے پیغمبر آئیں گے وہ عجمی (غیر عرب) ہوں گے عجمی کے علاقے میں پیدا ہوں گے۔

ان کا عقیدہ ظاہری طور پر یہ تھا کہ اسلام مذہب اب منسوخ ہو چکا ہے، اس لئے محمود پسی خوانی کا لایا ہوا دین تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور علاج نہیں ہے۔

- نقطوی فرقہ کو دوسرے معنوں میں نیچری بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ آدمی جو کوئی تخم زمین میں ڈالتا ہے تو وہ تخم اُگتا ہے، اس کے اُگنے میں قدرت کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ ستاروں کی تاثر کے تحت ہوتا ہے۔
- اس فرقے کے مقلد نماز کی مذاق اُڑاتے تھے۔ کسی مسلمان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے، تو کہتے تھے کہ خدا کو آسمان پر ماننا اور زمین پر سر رکھنا کوئی عقل کا کام ہے؟
- یہ لوگ حاجیوں کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو دیکھ کر کہتے تھے کہ ان لوگوں کا کیا کھو گیا ہے کہ ان کی تلاش کیلئے دوڑتے ہیں؟
- قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ان جانوروں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم جان سے مار ڈالتے ہو؟
- نقطوی فرقے کا ایک پیروکار ماہِ رمضان کو مسلمانوں کا بھوک اور پیاس کا مہینہ کہہ کر دلی اطمینان حاصل کرتے تھے۔
- ان کا کہنا تھا کہ انسان ایک ناپاک پانی کی بوند سے بنا ہوا ہے، اس منی کے باہر نکلنے سے غسل کیسے واجب ہو جاتا ہے کیونکہ اس راستے سے پیشاب بھی نکلتا ہے اور پیشاب، منی سے زیادہ ناپاک ہے، اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوگا۔
- یہ فرقہ ماں اور بہن کی حرمت کا قائل نہ تھا، ان کا کہنا تھا کہ عقل کے مطابق چلنا چاہئے اور اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ماننی اور نہ سننی چاہئے۔
- نقطوی فرقے کی ایک خاص دعا تھی، جس کو وہ سورج کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔
- دو نقطوی آپس میں ملتے تو سلام مسنون کے بجائے اللہ اللہ کہتے تھے۔

دینِ الٰہی پر نقطوی فرقے کا اثر

ہمارے دور کے تعلیم یافتہ افراد کو اس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ اکبر کا بنایا ہوا دین الٰہی کی بنیاد میں نقطویوں کا بہت بڑا حصہ ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی یہ کوشش نہیں کی کہ اکبر اور اس کے مشیروں کے عقیدوں کی موازنہ نقطویوں کے عقائد سے کریں اور ہندوستان اور پاکستان کے طالب علموں کے سامنے یہ چیز پیش کریں، ہم نے اپنے طور پر ان عقائد کا موازانہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اکبر اور اس کے مشیروں کے عقائد نقطویوں کے عقائد سے لئے ہوئے ہیں۔

نقطوی فرقہ دوسرے جنم میں یقین رکھتا تھا، وہ اس کے بغیر جزا اور سزا کا تصوّر نہیں کر سکتے۔ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ بیربل، دیبی، برہمن، پورسوتم پنڈت اور بھاون نے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ دوسرا جنم کے بغیر عذاب اور ثواب ناممکن ہے، اس لئے اکبر بھی دوسرے جنم پر یقین رکھنے لگا تھا۔ نقطوی آمنے سامنے ملتے تب سلام کی جگہ اللہ اللہ کہتے تھے، لیکن جب کوئی نقطوی اکبر کے پیرو سے ملتا تو اللہ اکبر کہتا تھا، اس کے جواب میں اکبر کے پیروؤ ذوالجلال اللہ کہتا۔ اللہ اکبر میں اکبر کا لفظ تھا اور ذوالجلال اللہ میں اس کا اصلی نام جلال الدین آتا تھا، اس حساب سے یہ سلام رائج ہوا۔

نقطوی فرقے کے مقلد حج کیلیے جانے والوں کا بھی مذاق اُڑاتے تھے۔ اکبر نے شاید اسی لئے حج پر جانے پر پابندی لگادی تھی، شہنشاہ اکبر ایک زمانے میں حج سے واپسی پر آنے والے حاجیوں کے استقبال کیلیے دس دس میل پیدل چل کر جاتا تھا مگر دین الٰہی کے بعد وہ حج کیلیے جانے کی اجازت لینے والوں کو سخت سزا دیتا تھا۔

اکبر کے خاص مشیر ابوالفضل نے اپنی لکھی ہوئی آئینہ اکبر میں مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کے بغیر گمراہ کے جنگل میں بھٹکنے والی صفات کے مالک ہیں۔ اُس نے ماہِ رمضان کو بھوک اور پیاس کا مہینہ بتایا ہے۔ اکبر بھی اپنے درباریوں کو روزہ رکھنے سے منع کرتا تھا، اس کا حکم تھا کہ رمضان کے دِنوں میں درباری اس کے سامنے کھائے پیئے، اگر انہیں کھانے پینے کی خواہش نہ ہو تو کم از کم اپنے منہ میں پان تو ضرور رکھے۔ ان تمام حقیقتوں کو دیکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکبر اور اس کے درباریوں کی نقطوی فرقہ کے مقلدوں کیساتھ خوب گہرے تعلقات تھے اور اکبر کے قائم کردہ دین الٰہی (اکبری دھرم) کی بنیاد میں اس کا اچھا خاصہ حصہ تھا۔

اکبری دھرم کے منظّم منصوبے

اکبری دھرم کی ابتداء

مسلمانوں کی پندرہ سو سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں نئے نئے فتنے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں پہلے منافقوں نے اپنا سر اٹھایا تھا۔ اس کے بعد نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا بڑا خوفناک فتنہ کھڑا ہو گیا تھا۔ مشرکین نے اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا اس فتنہ کے سبب پہنچا تھا۔ خلافت کے دور میں زکوٰۃ کے انکار کرنے والوں نے فتنہ کھڑا کیا تھا۔ اس کے بعد خارجی فرقہ کا فتنہ کم خوفناک نہ تھا۔ اس کے بعد رافضی فرقہ اس نے اپنا اثر دکھایا تھا۔ آہستہ آہستہ فتنوں کو میدان ملتا گیا۔ قدریہ، جبریہ، معتزلہ فرقوں نے گمراہی پھیلانے میں کچھ کم کسر نہ چھوڑی۔ خلق قرآن کے فتنہ سے شاہی فرقہ نے اپنے دور میں بڑے پیمانے پر گمراہی اور بے چینی پھیلائی تھی۔ حسن بن صباح کے حشیشیہ فرقہ نے ایک زمانے میں بڑے پیمانے پر ہاہاکار مچادی تھی۔ اس کے بعد ابن تیمیہ نے اسلام کے بنیادی عقائد کو تاویل کر کے خوب خوب گمراہی پھیلائی تھی۔ ابن عبد الوہاب نجدی نے وہابی فرقہ کی باتیں کر کے گمراہی پھیلائی، اس فرقہ کا طوفان ابھی تک کم نہیں ہوا، غرض کوئی مہدی کا دعویٰ کر کے تو کوئی نبی کا دعویٰ کر کے فساد پھیلاتا ہے۔ ہندوستان کے شہنشاہ اکبر کو بھی ایسے ہی کئی فسادی مل گئے تھے جس نے شہنشاہ اکبر کو دین الٰہی یا اکبری دھرم کے قیام کیلئے اسباب جمع کر کے دیئے۔

تاریخ دانوں میں یہ مسئلہ اختلاف رکھتا ہے کہ اکبر نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھ دی تھی یا اس کا ایجاد کیا ہوا دین، دین الٰہی Free Mansion فری مینشن کی طرح صرف ایک سوسائٹی تھا۔ ہندو تاریخ نویشوں اور اسلام دشمن عناصر کی دیکھا دیکھی ہمارے آزاد مزاج کے تاریخ دانوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ واقعی اکبر نے کوئی نئے دین کی بنیاد نہیں رکھی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکبر کا ایجاد کردہ یا پسندیدہ اکبری دھرم صرف فری مینشن کی طرح ایک سوسائٹی نہیں بلکہ باقاعدہ نیا مذہب تھا، اس دعویٰ کے ثبوت میں ہمارے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:۔

اسلام کا اختتام

اکبر کے دورِ حکومت میں اس کی بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت کی گئی تھی کہ دین اسلام کی میعاد ایک ہزار سال کی ہے، اس کے بعد ایک نیا مذہب کی ضرورت ہے۔ عالموں نے اس کا نام عقیدۂ الف رکھ دیا تھا۔ اس عقیدہ کے پھیلانے کیلئے ہزار سالہ جشن منایا گیا تھا اور اس کی یادگاری سکے بھی جاری کئے گئے تھے، ان پر لفظ الف کندا تھا۔ اس تقریب پر اکبر کے کہنے سے تاریخ الف بھی تحریر کیا گیا تھا۔ اس سے بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ سب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی تاریخ اب مکمل ہوئی اور اس کے خاتمے پر ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ اکبر کے بدبخت مشیر فیضی نے اس نئے دور کے متعلق لکھا ہے کہ اس نئے دور کی ابتداء خلافت سے ہو رہی ہے۔

امام مہدی کی آمد

ملا شرازی جعفر دان مکہ سے ایک کتاب لے کر اکبر کے دربار میں آیا اور اکبر کو بتایا کہ ایک حدیث کے مطابق دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور یہ مدت پوری ہونے والی ہے، اس کے بعد امام مہدی کی آمد کا زمانہ ہے، اس کے بعد ایک دوسرا بدبخت جس کا نام ناصر خسرو تھا، اس نے اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ ۹۹۰ ہجری میں امام مہدی ظاہر ہوں گے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی شریف آملی نے بھی محمود پسی خوانی کی کسی کتاب میں سے ایک قول نکالا کہ ۹۹۰ ہجری میں ایک مردِ حق پیدا ہوگا جو باطل کو مٹا دے گا۔ اس موقع پر شیعہ علماء بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ایک روایت بیان کرنے لگے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کا ظاہر ہونے کا یہی زمانہ ہے۔ یہ دیکھ کر ہندو پنڈت اپنی پوتھیوں کو لانے لگے جس میں بتایا تھا کہ ہندوستان میں ایک ایسا بادشاہ پیدا ہوگا جو برہمن اور پنڈتوں کی عزت و اکرام کرے گا اور ان کی مکمل حفاظت کریگا۔ اس کے علاوہ کچھ پنڈتوں نے شہنشاہ اکبر کو کہتے تھے کہ وہ رام اور کشن کا اوتار ہے۔

اس دنوں اکبر، مہدی کے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہا تھا، انہی دنوں میں حاجی ابراہیم سرہندی ایک بالکل بوسیدہ کتاب تلاش کر کے اکبر کے پاس لایا، جس میں ابن عربی (شیخ اکبر) روایت کر کے لکھا تھا کہ صاحب زمان (امام مہدی) درویشوں کی عزت و اکرام کریگا۔ اس پر اکبر سوچنے لگا کہ کہیں وہ خود امام مہدی تو نہیں ہے؟

شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک امام مہدی کی آمد گی اور وہ دنیا میں ظاہر ہو کر دنیا میں اللہ کی خلافت کا قیام کریں گے اور "خلیفۃ اللہ" کے نام سے مشہور ہوں گے۔ اسی لحاظ سے اکبر نے جو کلمہ رائج کیا تھا۔ اس میں یہ الفاظ کندہ تھے کہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ (معاذ اللہ)۔

امام مہدی کی شرائط کو پورا کرنے کیلئے شیخ مبارک ناگوری ایک فرمان کے ذریعے سے اکبر کو عادل اور ذہین اور عالم تسلیم کرا چکا تھا، جس سے اکبر کا مہدی ہونے کا دعویٰ تسلیم ہوتا تھا۔ اس طرح منظم منصوبے کے تحت اس نے رُکاوٹ دور کردی تھی، بطور پیغمبر یہ معاملہ مہدی ہونے تک محدود ہوتا تو بھی اتنا برا نہ ہوتا، کیونکہ اکبر سے پہلے بہت سے سرپھرے امام مہدی کا دعویٰ کر چکے تھے جس کو لوگوں نے اہمیت نہ دی تھی۔ اکبر کو شیخ مبارک ناگوری نے امام عادل ظاہر کر کے لامحدود اختیارات کا مالک بنا دیا تھا۔ انسان کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ اختیارات اور وسیع حکومت کی خواہش رہتی ہے۔ قرآن میں ایسی کئی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بہت سے بادشاہ انا ربّ الملك اعلیٰ کا دعویٰ کرنے لگے تھے۔ اکبر کو مہدی بن کر اطمینان نہیں ہوا۔ اب وہ نبوت کا سوچنے لگا، اکبر کے ہم عصر تاریخ نویس عباس خان شیروانی نے اکبر کو ملحد ملك الهام الله لکھ کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس پر وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔

اس دور کے حالات اور واقعات سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اکبر نے ایک پیغمبر کی تقریباً ذمہ داریاں لے لیں تھیں، لیکن احتیاط کے طور پر وہ اپنے آپ کو نبی کہلاتا نہ تھا۔ علاؤالدین خلجی ایک وقت کا ہندوستان کا شہنشاہ تھا، اس نے اپنے دورِ حکومت میں نبوت کا دعویٰ کرنے کا سوچا تھا۔ تب ایک عالمِ دین نے اُسے سمجھایا کہ یہ دعویٰ کریں گے تو ہندوستان میں بغاوت ہو جائے گی۔ بادشاہ اور سلطان بغاوت کے تصور سے گھبراتے تھے۔ اس لئے علاؤالدین خلجی اس دعویٰ سے رُک گیا تھا۔ اکبر بھی یہ جانتا تھا کہ اگر نبوت کا دعویٰ کیا تو ملک بھر میں شور مچ جائے گا اور بغاوت کی ابتداء ہو جائے گی اور غیر ممالک میں بھی رُسوائی ہو گی، اسی وجہ سے باقاعدہ ایسا دعویٰ نہ کیا البتہ ایسا دکھاوا کرنے کی کوشش ضرور کی تھی۔

ایک دفعہ پنجاب کے ایک علاقہ نازنہ میں شکار کر رہا تھا تب ایک درخت کے نیچے اس پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہو گئی، اس نے شکار کا ارادہ ترک کر دیا اور سب سے پہلے سر منڈایا۔ غریبوں میں نقدی اور اشیاء تقسیم کی اور اس جگہ عمارت تعمیر کرائی اور اس کے اردگرد ایک باغیچہ بنانے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کی خبر ملک بھر میں تیزی سے پھیلی، خاص طور پر ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں اس واقعہ کو کافی اہمیت دی گئی۔ عوام اس کے متعلق عجیب وغریب باتیں کرنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر نے یہ قصہ سنا ہوا تھا کہ گوتم بدھ نے ایک درخت کے نیچے علم حاصل کیا تھا، اکبر نے اسی کی ہو بہو نقل کی تھی۔ اس زمانے میں مشرقی علاقوں میں بدھ مذہب پھیلا ہوا تھا۔ آج بھی بہار کے گایا اور سرناتھ علاقوں میں بدھ مذہب کے مراکز ہیں۔ ایسا بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر ہندوؤں کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا تھا کہ وہ واقعی ایشور کا اوتار ہے۔ جس طرح نصرانی عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے مسیح کی آمد ہو گی، اسی طرح عیسائیت کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ مسلمانوں کا بھی عقیدہ ہے کہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے ظہور ہو گا۔ ہندو رائے کے مطابق مہا سیلاب سے پہلے کشن جی کلکی اوتار میں ظہور پذیر ہوں گے۔ اکبر نے دیکھا کہ مسلمانوں کی طرح ہندو بھی کسی کا انتظار کر رہے ہیں، اس لئے پنجاب کے نازنہ نام کے مقام پر اس کی آمد کا اعلان کیا۔

اکبر کی نئی شریعت

اکبر نے نئے نئے قانون بنائے جو اسلامی شریعت سے بالکل مختلف ہی نہیں بلکہ شریعت کے بالکل خلاف تھے، جیسا کہ اس نے اعلان کیا کہ شراب اگر دوا کے طور پر پی جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، اِسی طرح اس کی سر پرستی میں ایک قمار خانہ بناکر وہاں جواریوں کو جوا کھیلنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، اتنا ہی نہیں قمار بازوں کو جوا کیلئے سود پر رقوم کی فراہمی کا انتظام کیا گیا تھا۔ اِسی طرح شیطان پورہ نام کی ایک آبادی بناکر طوائفوں کو آباد کیا گیا، ان کے پیشہ کا بندوبست کرکے کھلم کھلا زِنا کاری شروع کردی تھی۔ مسلمان بچوں کی ختنہ کی ممانعت کردی گئی تھی اور دوسری شادی منع تھی۔ اسی طرح اکبر نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردیا تھا۔ ایسے کام کوئی فقیر، مجدد، مجتہد یا مہدی بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اس قسم کے قانون بنانے کا حق صرف نبی کو ہے۔

اکبر نے ہجری سن کے بدلے الٰہی سن کی شروعات بھی کی تھی۔ اس کے دورِ حکومت میں کوتوال (پولیس آفیسر) کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ اس پر بھی توجہ دے کہ عوام ہجری۔ سن (بکرمی)۔ سن کی جگہ الٰہی سن۔ (بکرمی) کا استعمال کرے۔ اکبر نے جو جدید شریعت رائج کی تھی، اس میں گائے کی عزت اور درشن کرنا، سورج، آگ اور چراغ کی تعظیم قشقہ (تلک، بندیا، ٹیلا) لگانا، زُنار پہننا یہ سب الٰہی پوجا میں شامل تھے۔ اس کی عبادت اسلامی عبادت سے الگ قسم کی تھی، یہ سب دینِ اسلام سے بالکل الگ دین تھا۔

اکبر اپنے آپ کو روحانی پرکھ کرنے والا کہتا تھا اور اس نے اپنے دھرم کی نئی شریعت بنائی تھی، جس کے ماتحت لوگوں کو اپنا مرید بناتا تھا۔ مریدوں کو الٰہیان کہتے تھے۔ اگر اکبری دھرم فری میسنری کی طرح ایک سوسائٹی کی طرح ہوتا تو راجا مان سنگھ ہندو دھرم کو چھوڑے بغیر اس کا مرید بن سکتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ راجا مان سنگھ نے ہندو دھرم کو ترک کرنا پسند نہیں کیا، اس لئے وہ اکبری دھرم میں داخل نہیں ہوسکا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ دینِ الٰہی اسلام اور ہندو دھرم سے بالکل الگ ایک دین تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اکبر کے دورِ حکومت میں ایک نامور اور شہرت یافتہ کتاب "مدارج النبوۃ" کے نام سے لکھی تھی، اس کتاب کو تحریر کرنے کی وجہ اس دور کے حالات تھے، کیونکہ اکبری دورِ حکومت میں شریعت اور سنت کی تذلیل، نظر اندازی، بے اتفاقی اپنی عروج پر تھی۔ حالات انتہائی حد تک خراب ہو گئے تھے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق نبوت کے تعلقات تقریباً ٹوٹ رہے تھے۔ اس حالات میں ضروری تھا کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو مکمل طور پر پیش کیا جائے۔ واقعی یہ اس کی دور کی اشد ضرورت تھی۔ اکبر کی ایجاد کردہ بدعت کے باعث ختمِ نبوت کے عقیدہ پر چوٹ لگی تھی، اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی حفاظت کیلئے عین وقت پر قدم اٹھایا اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پاک تحریر کرکے عام لوگوں کو ان کے مقامِ عظمت کی پہچان کرائی۔ جس دِلی محبت اور جذبے کو اس کتاب میں اس کے مصنف نے ظاہر کیا ہے اُسے دیکھ کر شیخ عبدالحق محدث کے مطابق اکبر نبوت کے منصب کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اگر اکبر کا دینِ الٰہی صرف کچھ آزاد خیال رکھنے والے لوگوں کی سوسائٹی ہوتی تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔

اکبر نے کیا کھویا کیا پایا

اکبر نے کیا کھویا

اسلام کے پانچ ارکان کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ہیں۔ اکبر نے ان پانچوں ارکان کا اِنکار کر دیا تھا۔ اسلام مذہب سے اُکتا کر اس نے کلمہ طیبہ میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک نکال کر اس کلمہ کو اپنے حلقوں میں اور شاہی محلات میں کندا کر دیا تھا: لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ ۔ اس سے اکبر یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اکبر کو جو عداوت تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ وہ احمد، محمد، محمود، مصطفیٰ جیسے نام رکھنا ناپسند کرتا تھا۔ اگر کسی نوکر کا نام یار محمد اور محمد خان ہوتا تو وہ نوکر کو اکبر دوسرے نام سے پکارتا تھا۔ مطلب یہ کہ اللہ کے عظیم، سب سے اعلیٰ اور آخر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک نام لینا بھی پسند نہ تھا۔ اس نے اپنے نواسوں اور پوتوں کے نام آتش کی پوجا کرنے والے ایران کے شہنشاہوں کے نام پر رکھے تھے۔

ایک وہ وقت تھا کہ اکبر نے اپنے زمانے میں سکہ پر کلمہ طیبہ کندہ کروایا تھا، لیکن اسلام سے اُکتانے کے بعد سکّہ رائج الوقت پر کلمہ شریف کی جگہ رام اور سیتا کی مورت کندہ کرائی۔ مشہور انگریز تاریخ نویس اسٹینلے پولے نے لندن کے برٹش میوزیم میں مغل وقت کے سکّوں کی ایک فہرست تیار کی ہے، ان کی پانچوں پلیٹ پر ۱۷۲ اویں سکے پر رام اور سیتا کی مورتی کندہ ہے۔

کلمہ کی طرح نماز بھی اسلام کا ایک اہم رُکن ہے، اکبر کے دربار اور شاہی محل میں نماز پڑھنے کی ممانعت تھی۔ ایک وہ وقت تھا، جب دیوان خانہ کی ایک مسجد میں اکبر خود اذان دیتا تھا، لیکن اب اس کا گھر اور دیواریں اذان کی آواز سے محروم ہو گئیں تھیں۔ نماز پر پابندی لگنے سے مساجد ویران ہو گئی تھیں۔ تاریخ فرشتہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ اس نے اپنے شاہزادہ دانیال کو حکم دیا تھا کہ اسیر گڑھ کی مسجد کو توڑدے اور ان کی جگہ مندر تعمیر کرائے، لیکن شاہزادے نے اس پر توجہ نہ دی اور مندر بھی تعمیر نہ کیا، اس لئے یہ مساجد محفوظ رہیں۔

اسلام کا تیسرا رُکن روزہ ہے۔ روزوں کے متعلق اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح اس نے روزہ رکھنے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شہرت یافتہ کتاب "مکتوبات" سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے برت کے دن مسلمانوں کو کھلے عام کھانے پینے کی اجازت نہ تھی لیکن رمضان میں ہندو اور نام کے مسلمان کھلے عام کھاتے پیتے تھے۔

اسلام کا پانچواں رُکن حج ہے۔ اکبر نے حج پر جانے پر پابندی لگادی تھی، حج کی اس سے اجازت طلب کرنا گویا موت کو دعوت مترادف تھا۔

اسلامی قانون کے چار چشمہ میں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اجماع اور قیاس ان پر شریعت کا دار و مدار ہے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے کہ اکبر وحیٔ الٰہی کو مانتا ہی نہیں تھا۔ سالوں کے بعد جہانگیر کہتا تھا کہ ابوالفضل نے یہ بات میرے والد کے دماغ میں ڈال دی تھی کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحریر کردہ کتاب ہے، جس انسان کا قرآن مجید کے متعلق اس قسم کا عقیدہ ہو، اس سے ایسی اُمید کرنا بے سود ہے کہ وہ قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ مانتا ہو۔

اسلامی قانون کا دوسرا جز سنتِ رسول ہے جو آدمی، اللہ کے عظیم نبی کا نام لینا اور سننا پسند نہ کرتا ہو، اس کے پاس سنت کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ بلکہ کئی قول کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ اکبر وقتاً فوقتاً بحث کے وقت اللہ کے عظیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخی کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔

اکبر کے عقیدہ اور عمل کا دار و مدار عقل پر تھا، اس لئے جو بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی، وہ ماننے سے صاف انکار کر دیتا تھا۔ وہ اس سے بھی منکر تھا کہ اللہ کے آخری نبی رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کوئی معجزہ تھا۔ معراج کے متعلق گفتگو کرتے وقت ایک پاؤں اُٹھا کر حاضرین کو کہتا تھا کہ جب میرا دوسرا پاؤں اوپر اُٹھ نہیں سکتا تو پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس طرح بھاری جسم کے ساتھ آسمان پر چلے گئے؟ یہ قصہ صرف خیالی ہے، تصور پر مبنی ہے۔ یہ بات سمجھنے کیلئے بالکل آسان ہے کہ جو انسان حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اور ذات پاک پر ایسا اعتراض ظاہر کرتا ہو، اس کے پاس سنت کا کیا مقام ہوگا۔

اسلامی قانون کا تیسرا اہم جز اجماع ہے۔ اکبر کئی اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول اور برتاؤ پر نکتہ چینی کرتا تھا، ان کو برا بھلا کہتا تھا اس کو دیکھ کر اجماع کی قدر اس کے پاس کیا ہوگی؟

اسلامی قانون کا چوتھا جز قیاس ہے۔ اکبر اور ان کے مشیر کہا کرتے تھے کہ دینِ اسلام کا آئین، فضلا، مولوی، علماء نے بنایا ہے، اسلئے ان میں غلطی کی گنجائش ہے۔ علماء دین اور اہل سنت کے اماموں کے ساتھ اکبر اور ابوالفضل کو دشمنی تھی بلکہ ابوالفضل کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ کسی کو گالی دینا چاہتا ہو یا اُسے نظروں سے گراتا ہو تو وہ اُسے فقیر کہہ کر بلاتا تھا۔ عظیم اماموں کی جانب ان کے دل میں اتنی حد تک حسد تھا کہ فیضی شراب پینے بیٹھتا تب شراب کے جام کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتا تھا کہ میں اس جام میں امام فقہ کا خون پی رہا ہوں۔ یہ عقل کا اندھا کہتا تھا کہ اگر سور اپنی بے غیرتی کے باعث حرام ہوا ہے تو شیر اپنی غیرت اور شجاعت کے بدولت حلال ہونا چاہئے تھا۔

اسلام کے ارکان میں سے کوئی ایک کا انکار کفر ہے، لیکن اکبر نے ایک نہیں کئی ایک کا انکار کر دیا تھا، حلال و حرام کے درمیان کے فرق کو مٹا دیا تھا۔ شراب صرف نام کی ناجائز تھی۔ اس نے تو شرابیوں کی سہولت کی خاطر شاہی دربار کے قریب ایک مے خانہ کھول کر، اس میں قسم قسم کی شراب کی رعایتی قیمت مقرر کر دی تھی۔ کسی کو بھی شراب رعایتی قیمت پر دستیاب تھی۔ اس نے شرابیوں کی اتنی حد تک حوصلہ افزائی کی تھی کہ اکبر کو شراب پیتا دیکھ کر اس وقت کے کچھ مفتی اور قاضی بھی شراب کے جام پیتے اور کہتے تھے کہ "در عہد پادشاہ خطا بخش و خرم پوش حافظ قرابہ کش شوود مفتی پیالہ نوش" تاریخ نویسوں نے کچھ علماء کے اسماء بتائے ہیں کہ جن کی موت زیادہ شراب پینے سے ہوئی تھی۔

اکبر نے سولہ سال سے کم لڑکے اور چودہ سال سے کم لڑکی کو نکاح کی اجازت نہیں دی تھی۔ اگر قاضی کو شک ہوتا کہ ان کی عمر کم ہے تو دونوں کو کوتوالی میں پیش کیا جاتا تھا اور اس کو تفتیش کر کے جہاں تک سرٹیفکیٹ نہ دیا جاتا، اس وقت تک وہ نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ اکبر کا یہ حکم تھا کہ کوئی مسلمان اپنے خالو، پھوپھی، ماموں، چچا کی بیٹی یا بیٹے کے ساتھ نکاح نہ کرے کیونکہ اس قسم کے نکاح سے اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح مہر کی زیادہ رقم طے کرنے کے خلاف تھا، اسلام میں عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے لیکن اکبر نے پردہ کرنے کی ممانعت کر دی تھی اور ہدایت دی تھی کہ ہر عورت بے پردہ نکلے۔

اکبر کو اسلامی رسم و رواج کے مطابق ہونے والی تدفین ناپسند تھی۔ جس وقت اکبر کا مرید خاص سلطان خواجہ کی وفات ہوئی تو شیخ مبارک ناگوری کے مسلک کے مطابق دفن کیا گیا۔ اس کو قبر میں اُتارنے سے پہلے اس کی زبان پر ایک جلتا ہوا انگارہ رکھا گیا اور قبر میں اس کا چہرہ مغرب کی طرف رکھا گیا اور اسی جگہ ایک بڑا سوراخ بنایا گیا تاکہ ہر صبح جب سورج طلوع ہو تو اس کی پہلی کرن سلطان خواجہ کے چہرے پر پڑے۔ اکبر اور اس کے مشیر کا عقیدہ تھا کہ سورج کی روشنی انسانوں کو گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ حقیقت میں اکبر کو اسلام سے اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ اسلام کے ہر احکام کے خلاف کام کرنے میں سب سے آگے رہتا تھا۔ سوتے وقت اکبر اپنے پاؤں قبلے کی طرف کر کے سوتا تھا۔

اکبر کے وہ مرید جو دریا کے کنارے رہتے تھے ان کیلئے یہ حکم تھا کہ اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو میت کی گردن میں اناج اور وزنی اینٹیں باندھ کر دریا میں ڈال دیا جائے۔ اسی طرح جو مرید جنگل میں رہتے تھے، ان کیلئے حکم تھا کہ اگر ان میں کسی کی موت ہو جائے تو مُردے کو درخت پر لٹکا دیا جائے۔

ابتدائی دور سے اکبر کے ہندوؤں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ ان کی صحبت میں رہ کر اکبر نے ہندوؤں کی کئی رسومات اپنا لیں تھیں۔ بیر بل، دیوی اور پروسوتم جیسے ہندو فضلا نے اکبر کے دل میں بٹھا دیا تھا کہ سور ایشور کا آئینہ دار ہے، کیونکہ ایشور نے ایک دفعہ سور کے روپ میں اوتار لیا تھا۔ یہ بات اس کے دل میں سرایت کر گئی تھی، اسلئے ہر سور کے درشن کو عظیم ثواب سمجھنے لگا تھا، بلکہ ایک اچھی عبادت سمجھتا تھا۔

اکبر میں ہندو سنیاسی اور جوگیوں کی صحبت میں رہنے کی سہولت تھی، اس لئے آگرے کے ارد گرد ایک جوگی پورہ نام کی آبادی بسائی تھی، جس میں کھانے، پینے اور رہائش کی تمام سہولت مفت تھے، رات کے وقت اکبر جوگیوں کے پاس جاکر ہندو عقائد، ویدانت اور مراقبہ کے مسئلے پر بحث کر کے ان سے ہندو عقائد سیکھتا تھا۔ جوگیوں نے اس کو کیمیا گیری کے راز بتائے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دماغ میں بٹھا دیا کہ ان اصولوں پر چلے گا تو اس کی عمر ایک ہزار سال کی ہو جائے گی۔ اکبر طویل عمر کا خواہش مند تھا، اس لئے جوگیوں کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے لگا تھا۔

ہندو اور نقطوی کے ساتھ رہ کر اکبر سورج کی تعظیم کرنے لگا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ سورج شہنشاہوں کا مربی ہے، اس لئے اس کی تعظیم شہنشاہوں کیلئے واجب ہے۔ اکبر طلوعِ آفتاب کے وقت سورج کی طرف منہ کر کے سنسکرت زبان مین سورج کے ایک ہزار نام کا وِرد کرتا تھا۔ ایک سرکاری درباری عالم ملا شرازی نے اکبر کو سورج دیو کے ایک ہزار اسماء کو نظم کی شکل میں تیار کر دیا تھا، جس سے وہ بے حد خوش ہوا تھا۔ ایک ہزار نام وِرد کرنے کے بعد اپنے دونوں کان پکڑ کر ایک چکر لگاتا تھا، اس کے بعد اپنی گردن پر ایک مکہ لگاتا تھا، سورج پرستی کے باعث کئی لوگ اسے کافر سمجھنے لگے تھے۔ اکبر کی سورج پرستی کو جائز قرار دینے کیلئے ابوالفضل مخالفین کو سمجھاتا تھا کہ قرآن میں سورۂ وشمس پر نظر ڈالے۔ اگر سورج قابلِ تعظیم نہ ہوتا تو اللہ نے قرآنِ پاک میں اس کی قسم کیوں کھائی؟

پارسی، ہندورانیوں اور نقطویوں کی صحبت میں رہ کر اکبر سورج کے ساتھ ساتھ آگ کی پرستش بھی کرنے لگا تھا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق آگ اُم الاناسیر سب حس کی ماں ہے، اس لئے شہنشاہوں کیلئے آتش کی بھی تعظیم ضروری تھی۔ اکبر چراغ کی لو کو اللہ کے نور کی مانند سمجھتا تھا۔ اس لئے شام کے وقت جب دیا روشن کیا جاتا تب شاہی غلام سونا چاندی کے بارہ تھالیں جس میں کپور کے دیئے ہوتے لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور وہ بڑے احترام سے کھڑا ہو جاتا اور اکبر اس کی آرتی اُتارتا تھا۔ اکبر یہ بھی کہتا تھا کہ فلاں فلاں اقوام کو ان کے گناہوں کی بدولت اللہ نے سور اور بندر بنا دیا تھا تو میں اس پر یقین نہیں کرتا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن جب میں دوسرے جنم میں یقین کرنے لگا تو میری سمجھ میں آئی کہ یہ ممکن ہے۔

ہندوؤں کے تہوار بھائی بیج کے روز اپنی پیشانی پر ٹیکا لگا کر وہ دربار میں بیٹھتا تھا۔ اس موقع پر برہمن اس کے ہاتھ پر راکھی باندھتے اور اس کے امراء اس کو طائف وصائف دیتے تھے۔

ہندوؤں کا دستور ہے کہ جب کسی آدمی کی موت ہو جاتی ہے تو اس کے ورثاء بھدرا کی رسم ادا کرتے ہیں۔ اکبر کے دور کے ایک تاریخ نویس نے تحریر کیا ہے کہ جب اکبر کی والدہ حمیدہ بانو کی وفات ہوئی تو اکبر نے ہندوؤں کی رسم کے مطابق بھدرا کی رسم ادا کی تھی۔

اس واقعہ کے چھ سال کے بعد لے پالک والدہ کے انتقال کے موقع پر اکبر اور اس کے خوشامدیوں نے بھدرا کی رسم ادا کی تھی۔ شیخ مبارک ناگوری کی موت ہوئی تو ابوالفضل اور فیضی نے بھدرا کی رسم ادا کی تھی۔

اکبر نے ہندوؤں کے متعدد رسم ورواج اپنائے ہوئے تھے، جب سلیم (جہانگیر) کی شادی راجا بھگوان داس کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تو ہندو رسم ورواج کے مطابق کی گئی تھی۔

اکبر نے روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ جیسے اسلامی ارکان کو عمل کرنے کے قابل نہیں سمجھتا تھا، لیکن سورج پرستی، آتش کی تعظیم، چراغ کا احترام، شادی کے وقت آگ کے پھیرے (چکر)، دوسرے جنم پر یقین، راکھی بندھن، ٹیکا اور پٹکا پہنا، سور کے درشن، بھدرا، گوشت کو ترک کرنا اور تدفین کے نئے طریقے پر یقین رکھتا تھا۔

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی فرض کا کھلم کھلا انکار اکبری حکومت میں ہونے لگا تھا۔ جنابت کے غسل کو غیر ضروری قرار دیا گیا تھا۔ شیخ مبارک جو حرام کی اولاد کے طور پر پہچانے جاتے تھے اس کے خاندانی چراغ (یعنی ابوالفضل) نے نماز وغیرہ اسلامی عبادت کا مذاق اڑانے والی ایک کتاب لکھی اور یہ کتاب مرتدوں میں خوب مقبول ہوئی۔ ہجری تاریخ کو الوداع کر کے اس کی جگہ اکبر کی تخت نشین کی تاریخ سے نیا سن الٰہی شروع کیا گیا تھا۔ اکبر کی تخت نشینی ۹۶۳ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ پارسی مذہب کی چودہ عیدوں کو مقرر کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی عیدوں کی رونق جاتی رہی۔ البتہ جمعہ کے دن میں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا گیا تاکہ ضعیف افراد مساجد میں جا کر اکبری خطبہ سن سکیں۔ سال اور مہینوں کا نام الٰہی سال اور الٰہی ماہ رکھا گیا تھا۔ عربی زبان، فقہ، تفسیر اور حدیث کا پڑھنا پڑھانا عیب میں شمار کیا جانے لگا تھا۔ علم نجوم، وید، حساب اور شعر گوئی تاریخ اور قصہ کہانیاں وغیرہ جگہ جگہ سکھانے کا انتظام تھا۔ خطبے میں حمدِ الٰہی کے بعد شہنشاہ اکبر کے صفات کی لمبی چوڑی فہرست ہوتی تھی، کسی کی مجال نہ تھی کہ خطبے کی کتاب میں کوئی ایک لفظ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک نام کو لکھ سکے۔ مطلب یہ کہ جن کی اسلامی شریعت میں منع تھی، اُسے جائز قرار دیا گیا اور جو شریعت میں جائز تھا، اس کی کھلے عام نفی کر دی گئی تھی۔ عام لوگ گفتگو میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے رہتے تھے اور یہ تکبیر اللہ پاک کی تکبیر نہ تھی بلکہ "اکبر اکفر" کے نام کی تکبیر کہی جاتی تھی۔

شہنشاہ اکبر نے مشائخ کے نام ایک فرمان بھیجا تھا کہ کوئی آدمی کسی سے بیعت نہ لے، اگر کسی کے متعلق یہ خبر ملی کہ وہ پیری مریدی کرتا ہے تو اس کو پکڑ کر اسیر بنادیا جائے گا۔ متعدد افراد کو ملک بدر کر کے کالے پانی کی سزا دی گئی تھی۔ اکبر خود مشائخ کے بدلے لوگوں سے بیعت لینے لگا تھا۔ اکبر کا جو مرید ہوتا اس کو چیلا کہا جاتا تھا جس کو اکبر کی جانب سے الٰہیان کا خطاب ملتا تھا۔ اکبر نے اپنے نئے مذہب کا نام "دینِ الٰہی" رکھا تھا۔ اس طرح اکبری دھرم کو قبول کرنے والے کو الٰہیان کہا جاتا تھا۔ اکبری دھرم میں داخل ہونے والے کو چار چیزوں کو مکمل طور پر ترک کرنا پڑتا تھا، وہ یہ کہ اپنا مال، اپنی جان، اپنی پہچان اور اپنا اصلی مذہب۔ ان چار چیزوں کو چھوڑ کر اکبری دھرم میں شامل ہونے والے کا شمار کامل مرید میں ہوتا تھا، جس میں کوئی ایک کمی ہو وہ آدھا مرید سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے اخلاق کی حالت یہ تھی کہ اپنی ماں بہن بیٹی کو بھی نہ چھوڑتے تھے۔ بارہ بارہ افراد کا گروہ آ کر اکبر کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ جس طرح پیر اور مشائخ میں شجرہ رکھنے کا رواج ہے، اسی طرح اکبر اپنے مریدوں کو شجرہ کی جگہ اپنی تصویر دیتا تھا، مریدوں کو تصویر رکھنا ضروری تھا، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بڑی سعادت اور اعلیٰ نصیب کیلئے اکسیر مانا جاتا تھا۔ مرید اکبر کی تصویر کو قیمتی کپڑے میں ہیرے لگا کر سجا کر رکھتے تھے اور اس کے بعد اپنے عمامے پر چھوگے (کلغی) کی طرح لگاتے تھے۔

اسلام مذہب مساوات کا سبق دیتا ہے اسلام کے اصول کے مطابق راجا، عوام، غریب اور امیر عام و خاص تمام طبقہ برابر ہے لیکن اکبر کے دربار میں جو کوئی آتا تو وہ عبادت یا دعا کی طرح کچھ کہتا ہوا آتا۔ شاعر حضرات اس کی تعریف کے علاوہ کچھ اور نہ کہتے بلکہ کچھ افراد نے اکبر کو خدا واحد کے مانند بنادیا تھا، دربار یا کسی جگہ اکبر کو دیکھتے تو سجدہ کرتے تھے، اس سجدے کو لوگ زمیں بوس کہتے تھے جس کا اصل حقدار حاکم الحاکمین ہے۔

اکبر کا سب سے بڑا مرید جو در حقیقت ان کا گرو تھا، وہ ابو الفضل تھا۔ ابو الفضل اپنے باپ سے سوا اسیر تھا، اسے اہل ایمان سے بے حد نفرت تھی بلکہ جاننے کو ملا ہے کہ اہل سنت کے مقابلے میں وہ کوئی باطل مذہب کی حمایت کرنے میں پیش پیش رہتا تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التاریخ" میں ابو الفضل مردود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کتا (ابو الفضل) کئی روز تک سکرات میں مبتلا رہا، اس وقت اس کا چہرا سور جیسا ہو گیا تھا، جب اس کی موت ہوئی تو اس کو لاہور میں دفن کر دیا گیا، لیکن لاہور کے رہنے والے مسلمانوں نے اس کی قبر کو کھود کر اس کی نعش کو نکال کر جلادی تھی۔ ابو الفضل علماء، مشائخ، مساکین اور یتیموں پر نکتہ چینی کئے بغیر نہ رہتا۔ اس کو اکبری حکومت کی طرف سے ہر قسم کے اخراجات اور سہولت میسر تھی۔

محمد شاہ رنگیلا کا نام زیادہ شراب پینے سے بدنام ہے، لیکن اکبر کی عیاشی اس سے چار گنا زیادہ تھی۔ کتاب اکبر اینڈ جیسیٹ (Akber And The Jesist) میں لکھا ہے کہ اکبر کی محل سرا میں تقریباً ایک سو وہ عورتیں تھیں جو باقاعدہ حرم میں داخل تھی، لیکن ایسی بے شمار خواتین تھیں جس کے ساتھ وہ شیعوں کی طرح متعہ کرتا رہتا تھا۔

شہنشاہ اکبر مقرر وقت پر پیر مرشد اور روحانی پیشوا بن کر بیٹھتا تھا اور اپنے چیلوں سے خطاب کرتا تھا، اس وقت سنیاسی، جوگی، صوفیاء اور حکماء بڑی تعداد میں حاضر رہتے تھے اور سپاہی کی طرح کھڑے رہتے تھے، ایسے وقت میں ایسے مریضوں کو لاتے جن کا کوئی علاج نہ ہوسکے، اکبر پانی پر پھونک مار کر ان کو پلاتا تھا۔ ابوالفضل نے عوام میں یہ بات پھیلادی تھی کہ اکبر پہنچا ہوا کامل انسان ہے، جب وہ مراقبہ میں بیٹھتا ہے تو عالم وحدت کی سیر کرکے آتا ہے۔ ابوالفضل اکبر کی متعدد کرامتوں کا بھی ذکر کرتا تھا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے بارے میں لکھی ہوئی کتاب "تذکرہ مجدد الف ثانی" کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ شہنشاہ اکبر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہر مذہب کو ایک نظر سے دیکھتا تھا، لیکن درحقیقت وہ اسلام کی جڑ پر کلہاڑی چلاتا تھا، اسلامی احکام کو اس کا ذہن قبول نہ کرتا تھا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ وسیع النظر نہ تھا، نہ صلح کُل تھا، بلکہ نئے دھرم کا بانی تھا، جس کو تاریخ نویسوں نے دین الٰہی یا اکبری دھرم کا نام دیا ہے۔ دین الٰہی باقاعدہ ایک مذہب تھا، جس کا کسی اور مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ایسے نازک وقت میں اکبری دربار سے دور رہ کر حضرت خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دین کو زندہ کردینے کی تحریک چلا رہے تھے اور امراء کو ظالم شہنشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کیلئے سمجھاتے تھے۔

اکبری دور میں شریعتِ الٰہی کی جو پستی اور خواری ہوئی اور جو بگاڑ پیدا کیا گیا، اس کا ذکر کرنا ناممکن ہے۔ اکبر، اللہ کی آسمانی آئین کو کھلم کھلا نظر انداز کرتا تھا اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق پرستی میں مبتلا ہوگیا۔ اس کی وسیع حکومت نے اس کو اتنا گھمنڈی بنا دیا تھا کہ چاند کے ایام کی عظمت کے مقابلے میں خدا کی کبریائی اور رسول کی شان کو بالکل فراموش کرچکا تھا، اس کے دورِ حکومت میں اللہ کے نیک بندوں پر مشکلات کے پہاڑ توڑے گئے، گمراہی اور تاریکی ہر طرف چھاگئی۔ دین حنیف لاچاری کی حالت میں تھا۔ جگہ جگہ ابلیس کی شہنشاہت تھی۔

اکبر نے کیا پایا

اکبر کو متذکرہ خرافات پر اکثر قدرتی تنبیہات ملتی تھیں، پھر بھی وہ ان کو نظر انداز کر دیتا تھا، اگر ایسے وقت میں اپنی راہ سے واپسی کی توفیق ملتی تو اس کی دنیا اور آخرت ضرور سنور جاتی، لیکن اس نے قدرتی انتباہ سے کچھ سبق حاصل نہ کیا۔

سب سے پہلی آگاہی (تنبیہ) لاہور میں لگی ہوئی خوفناک آگ تھی۔ اس وقت اکبر اپنے لاہور کے محل کے احاطے میں بیٹھا ہوا تھا۔ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) اور دوسرے کئی افراد وہاں حاضر تھے اور پارسیوں کا تہوار نوروز کی تقریبات جاری تھی، اسی وقت آسمان سے ایک شعلہ شاہی محل کی طرف آیا۔ سب سے پہلے شاہزادہ سلیم کے خیمہ پر آکر گرا اور راکھ بنا دیا۔ کئی لوگ آگ بجھانے کیلئے وہاں پہنچے، مگر اس آگ سے دوسرے خیمے بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ اس کے بعد شاہی محل جس میں تخت اور دوسری قیمتی اشیاء تھیں وہ جل کر راکھ بن گئیں۔ محل میں ایک تخت تھا، جس کی قیمت اس وقت ایک لاکھ اشرفی (سولہ لاکھ روپے) تھی، وہ جل کر کوئلہ بن گیا۔ محل میں رکھے ہوئے سونا، چاندی اور ہیرے زیورات اور دیگر یادگار چیزیں جل گئیں۔ سونا، چاندی اور دیگر دھات پگھل کر اس طرح بہنے لگے جیسے پانی بہہ رہا ہے۔ یہ خوفناک آگ کئی دِنوں کی کوششوں کے بعد بجھائی جا سکی۔

لاہور کی آگ سے اکبر بے حد خوف زدہ ہو گیا تھا، وہاں سے سیدھا کشمیر گیا، لیکن کشمیر میں سخت قحط سالی تھی، مائیں اپنے بچوں کی سنبھال نہیں رکھ سکتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ایک یا دو روپے میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ یہ سب اس کے دل پر گہرا اثر کیا وہیں بیمار ہو گیا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ جب صحت مند ہونے لگا پھر لاہور آیا لیکن لاہور آتے ہی خبر ملی کے دکن میں اس کے جوان شاہزادہ مراد جس کی عمر ستائیس سال تھی، انتقال کر گیا، یہ سن کر بڑا صدمہ پہنچا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد دوسرا شاہزادہ دانیال بھی انتقال کر گیا، اس کے بعد دایاں ہاتھ مردود ابوالفضل دنیا سے گناہوں کی گٹھڑی باندھ کر رُخصت ہوا۔ پھر بھی اُس کے نصیب میں توبہ کی توفیق نہ تھی۔

قرآن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اس حقیقت کے باوجود دنیا کی لذتوں میں وہ اندھا ہو گیا تھا اور موت کو بھول گیا تھا۔ موت کے فرشتے کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، دنیا کے کسی بھی بادشاہ اور شہزادے کو پل بھر کی مہلت نہیں ملتی۔ اکبر کی زندگی میں ہی مشہور تاریخ دان ملا عبدالقادر بدایونی، ابوالفضل اور متعدد مشیر ایک ایک کر کے دنیا سے وداع ہو گئے۔ ان کے بعد قلم بند کرنے والا کوئی نہ رہا، لیکن کچھ پادری جو اس وقت فتح پور سیکری میں رہائش پذیر تھے، ان میں ایک پادری، عمر کے آخری پانچ سال تک اکبر کے ساتھ رہا، اس کے قول کے حوالے کے علاوہ کوئی اور حوالہ نہیں۔

اکبر بائیس سال تک مذہب کے معاملے میں زلزلہ کرتا رہا، اس دوران کوئی شخص بھی یہ یقین کے ساتھ جان نہ سکا کہ وہ کس مذہب کا پیروکار تھا۔ دوسرا جنم، آتش پرستی وغیرہ کی آڑ میں اس کی نفس پرستی جاری رہی۔ محمد قاسم "فرشتہ" تاریخ فرشتہ کا قول ہے کہ

اکبر کو اپنے دو جوان شاہزادوں کی بے وقت موت کا بڑا صدمہ تھا، اس کے غم میں مسلسل پگھلتا رہا۔ آہستہ آہستہ وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا اور اسی حالت میں دنیا سے رُخصت ہو گیا، لیکن جو پادری اس کی صحبت میں پانچ سال رہا، اس کا قول ہے کہ اکبر کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اکبر اپنے دشمنوں کو پلانے کیلئے زہریلی شراب رکھتا تھا۔ یہ شراب پی لینے کے سبب اس کی موت واقع ہوئی۔

پادری ایکزویر نے اپنی انگریزی کتاب The Jesist and The Great Mogal میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر موت کے وقت نہ تو مسلمان تھا، نہ عیسائی تھی، بلکہ واقع وہ ہندو تھا۔ اکبر آخری سانس تک ہندو رہا اور اس کی موت بُت پرستی پر ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اکبر موت کے وقت کس مذہب کا مقلد تھا وہ مشتبہ ہے، لیکن کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ آفتاب پرست تھا، دوسروں کی یہ رائے ہے کہ اس نے ہر مذہب سے تعلق ختم کر کے دہریا یا لامذہب تھا۔ اس کی وفات کے وقت اس کو غسل اور کفن تک نصیب نہ ہوا۔ میت کو ایک چادر میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ کچھ لوگوں کی خواہش تھی کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی جائے، لیکن مسلمانوں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا کیونکہ ماحول ایسا تھا کہ کوئی مسلمان اس کو اسلام کا پیروکار ماننے کیلئے تیار نہ تھا اور نہ کوئی عیسائی یا ہندو اس کی نعش کا دعویدار تھا۔ نتیجہ میں نہ کسی مسلمان نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، نہ کوئی عیسائی یا ہندو نے اپنی طرف سے کوئی رسم ادا کی۔ شہزادہ سلیم اور اس کے خاندان کے افراد اس کی نعش کو ایک چارپائی پر لے گئے اور ایک جگہ اس کو مٹی کے نیچے دبا دیا۔ اس کے بعد نہ کوئی تعظیم کی گئی، نہ کوئی ماتم کیا گیا، البتہ شہزادہ سلیم نے اس روز شام تک ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔

اکبر کی موت کے بعد ان کی جگہ شہزادہ سلیم تخت نشین ہوا جس کے آنے سے اسلام مذہب کو تقویت ملی، پھر بھی اکبر کا لگایا ہوا گہرا زخم طویل عرصے تک نہ بھر سکا۔ اس کام کیلئے کسی مردِ حق کی ضرورت تھی۔ اللہ کے کرم سے اس کام کا بیڑا امام ربانی مجدد الف ثانی نے اُٹھایا اور اس میں اچھی خاصی کامیابی بھی ملی۔ انہوں نے اکبر کے سامنے جس قسم کا جہاد کیا تھا، وہ تاریخ میں بے مثال ہے، اس دور کے مجدد تھے، وسیع ہندوستان پر اکیلے حکومت کرنے والے کے سامنے جہاد کیا، اسلئے تاریخ میں مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے۔ مجدد الف ثانی (یعنی ایک ہزار مجددوں کے برابر ایک مجدد) کے طور پر شمار کیا جاتا ہے۔ اِن شاءَ اللہ زندگی رہی تو مجدد الف ثانی کی تفصیلی سوانح حیات کتاب کی شکل میں پیش کی جائے گی۔

مذکورہ بالا ان کتب کے حوالوں سے تحریر کیا ہے جو ہمیں قابلِ اعتبار لگے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کا دینِ الٰہی نام کا فتنہ کوئی معمولی فتنہ نہ تھا، آج ساڑھے تین سو سال گزرنے کے باوجود یہ بڑے فتنہ کے اثرات کو ابھی تک مٹایا نہیں جا سکا۔ اس سے جو خوفناک اثرات ہوئے وہ آسانی سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ دینِ الٰہی یا اکبری دھرم کے متعلق فارسی، اردو اور انگریزی میں متعدد کتب شائع ہو چکے ہیں، لیکن گجراتی زبان میں اس قسم کا ادب بالکل نہ کے برابر ہے۔ شاید اس موضوع کی یہ پہلی تفصیلی کتاب ہے، آخری نہیں ہوگی۔ اِن شاءَ اللہ زندگی رہی تو مستقبل قریب میں اس بڑے فتنہ کے موضوع پر زیادہ معلومات دینے کا ارادہ ہے۔

اکبری دھرم ایک نظر میں

از قلم: محمد ہارون چولا

ہندوستان میں خاندان مغلیہ کی بنیاد بابر نے رکھی۔ لیکن بابر کو اصل محبت ترکستان اور افغانستان کے اونچے اونچے پہاڑوں سے تھی اور اس نے ہندوستان کا رُخ بالکل آخری عمر میں کیا۔

فتح دہلی کے چار سال بعد بابر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد بادشاہت کا تاج اس کے بیٹے اور جانشین ہمایوں کے سر سجایا گیا۔ لیکن اس کی حکومت کو صرف دس سال گزرے تھے کہ شیر شاہ سوری نے حملہ کر کے ہمایوں کو ہندوستان سے ایران بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پندرہ سال جلاوطن کی زندگی گزار کر اپنی زندگی کے آخری سال ایرانیوں کی مدد سے شیر شاہ سوری کے پوتے سکندر کو شکست دے کر دوبارہ دہلی اور پھر آگرہ پر اپنا اقتدار بحال کیا۔ چند ہی ماہ بعد ایک حادثہ کا شکار ہو کر اس نے بھی وفات پائی۔

اس کے بعد جانشینی کا بوجھ اس کے بیٹے جس کی عمر کوئی تیرہ برس کی ہوگی کے کندھوں پر آن پڑا۔ اس بیٹے کا نام اکبر تھا۔

اکبر کی تخت نشینی کے بعد ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اکبر کے زمانے میں اسلام اور حکومت ترقی کے بجائے تنزلی کا شکار تھے اور ہندو مذہب اور روحانی تحریک کا اثر زیادہ ہو رہا تھا۔ روحانی تحریک نے بھگتی تحریک کی صورت اختیار کی، اس تحریک کے لیڈروں میں گرونانک جو صلح پسند تھے، تلسی داس وغیرہ دوسرے مذاہب سے بالکل بے تعلق تھے اور بعض لیڈر شامل تھے، یہ مسلمانوں کے بے حد مخالف تھے۔

ان حالات میں اکبر نے اپنی دانشمندی سے حکومت کو استحکام بخشا۔ اکبر کی مسلسل فتوحات کی وجہ سے اسے تاریخ میں ایک نمایاں مقام ملا۔ اس نے اپنی وسیع و عریض سلطنت کے کامیاب نظم و نسق چلانے کیلئے باقاعدہ نظام ترتیب دیا تھا۔

در حقیقت مغلیہ نظامِ حکومت کا اصل معمار اکبر ہی تھا۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں کئی غلطیاں بھی کیں۔ خاص طور پر مذہبی معاملات میں اس نے خود سری اور ناعاقبت اندیشی کی ایسی پالیسی اختیار کی کہ اس کی خوبیاں خامیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اکبر نے بہترین نظم و نسق کے علاوہ اپنے دور میں علوم و فنون کی بڑی قدر کی۔ اکبر خود تو اَن پڑھ تھا لیکن اہلِ علم کی قدر کرتا تھا۔ مشہور کتابیں باقاعدگی سے پڑھوا کر سنتا تھا۔ تصنیف و تالیف اور درباری مؤرخ کا آغاز بھی اسی کے دور سے شروع ہوا۔

ابو الفضل نے آئینِ اکبری میں ان کتابوں کی فہرست دی ہے جنہیں اکبر پڑھوا کر سنتا تھا۔ ان میں اخلاق، تاریخ، تصوف، ادب کی مشہور کتابیں شامل تھیں اور شاید اس زمانے کی ان موضوعات پر کوئی کتاب ایسی نہ ہو گی جو اکبر کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔ اکبر ملک گیری اور ملک رانی میں بے نظیر تھا۔ اسلامی حکومت کو اس نے جس طرح مستحکم کیا، مغلیہ خاندان کے کسی دوسرے بادشاہ سے یہ کام نہ ہو سکا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے صحیح افکار کو چھوڑ کر مذہبی معاملات میں بھی بے جا دخل اندازی شروع کر دی، جن وجوہات کی بنیاد پر اکبر نے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کی ان کا مطالعہ بڑا عبرت ناک اور سبق آموز ہے۔

تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی مذہبی پالیسی کے دو رُخ تھے، ایک انتظامی اور سیاسی معاملات میں "صلح کل" کی پالیسی۔ دوسرا رُخ مریدانِ شاہی اور دوسروں کیلئے قواعد و آئینی قواعد کا مرقع جسے بعد کے مورخ "دینِ الٰہی" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اکبر نے جن اقدامات سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچایا اور ان کی بجا طور پر مخالفت ہوئی، وہ اس کی حکومت کے پندرہ بیس سال بعد وجود پذیر ہوئے۔

اس کے وہ احکام جنہیں "دینِ الٰہی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا ان کی بنیاد عبادت خانہ کی تلخ اور شر انگیز بحثوں پر قائم تھی۔ اکبر کو ان حالات کی طرف پہنچانے کے اصل ذمہ دار وہ خوشامدی درباری اور ناعاقبت اندیش علماء تھے جنہوں نے اکبر کو "ظلِ الٰہی" کا لقب عطا کیا تھا۔ اس طرح اکبر نے دنیوی معاملات کے ساتھ ساتھ دینی معاملات میں بھی دخل دینا شروع کر دیا، اس کا آغاز باقاعدہ پیری مریدی کا سلسلہ سے ہوا۔ پیری مریدی کیلئے جو نظام مرتب کیا تھا اس کی بنیاد مختلف مذاہب کے نظریات پر قائم تھی۔ شروع شروع میں اکبر ایسا نہ تھا۔ تخت نشینی کے بعد بیس برس تک تو وہ ایک سیدھا سادہ خوش اعتقاد تھا، دوسروں کی طرح وہ بھی ارکانِ مذہب کی دل و جان سے پابندی کرتا تھا لیکن بعد میں اس کی طبیعت میں روحانی رنگ پیدا ہوا تھا۔

چونکہ شاہانِ سور نے علماء کو بڑا زور اور اقتدار دے رکھا تھا۔ جس میں ملکی مصلحتیں بھی تھیں۔ اکبر نے اس سلسلہ کو ختم نہیں کیا بلکہ اور بھی وسیع کر دیا۔ جابجا قاضی و مفتی مقرر کئے۔ مخدوم الملک کی قدر و منزلت بڑھا کر ان کو صدر الصدور بنایا اور انکو وہ اختیارات دیئے جو اس سے پہلے کبھی نہ ملے تھے۔ اس دور میں مخدوم الملک صدر الصدور کا وہ دل و جان سے معتقد تھا، کبھی کبھی حدیث سننے ان کے گھر بھی جاتا تھا۔ شہزادہ سلیم کو ان کی شاگردی میں دے دیا تھا۔ صدر الصدور جو شیخ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے تھے۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کی تقلید اور فیض محبت سے اکبر کا یہ حال ہو گیا تھا کہ باجماعت نماز کی پابندی کرتا تھا بلکہ کبھی کبھی تو اذان بھی خود ہی دیتا تھا۔ حتیٰ کہ مسجد میں جھاڑو بھی لگایا کرتا تھا۔

جب خواجہ اجمیری سے عقیدت پیدا ہوگئی، پھر تو یہ حال ہوا کہ ہر سال اجمیر جاتا تھا اور بعض دفعہ کوئی منت مانتا تھا تو پیدل بھی فتح پور یا آگرہ سے اجمیر جاتا تھا۔ وہاں ہزاروں لاکھوں روپے نذرانہ چڑھاتا تھا اور گھنٹوں مراقبے میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس دور میں سلیم چشتی کا بھی بڑا معتقد تھا اور جب جہانگیر کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو اس کی والدہ کو شیخ کے حجرے میں بھیج دیا اور انہی کی نسبت سے اپنے بیٹے کا نام سلیم رکھا۔

اس طرح اس کی مذہبی اُمور میں اتنی دلچسپی بڑھی کہ اکثر اوقات مراقبوں، دعاؤں اور عبادتوں میں گزرتا تھا۔ حتی کہ سلیم چشتی کی خانقاہ کے پاس ایک عمارت بھی تعمیر کرائی جس کا نام عبادت خانہ رکھا گیا۔

اکبر نے عبادت خانے کی مجالس کا اہتمام خاص مذہبی ذوق سے کیا تھا لیکن بالآخر اسی نے اسے بد مذہبی کا راستہ دِکھا دیا اور اس کا باعث ان علماء و فضلاء کی کمزوریاں تھیں، جو ان مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

یہ علماء اپنی عزت اور دوسروں کی خفت اور ذِلت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے جب مجلسوں میں شریک ہوتے تو ان کا مقصد صرف اپنی اَنا کی تسکین اور دوسروں کی تضحیک و توہین ہوتا تھا، ایک دوسرے کو نیچا دِکھانے کا سامان ہوتا تھا، ایک دوسرے کی تذلیل و تکفیر کی جاتی تھی، اگر ایک ہی عالم ایک چیز کو حلال کہتا تو دوسرا حرام کا فتویٰ لگاتا تھا۔ انہی وجوہات کی وجہ سے اکبر آہستہ آہستہ اسلام سے بد ظن ہوتا چلا گیا۔ حتی کہ اس کے دماغ میں حلال و حرام کی تمیز نہ رہی۔

اس مقام تک پہنچانے میں پہلی راہ ملا عبد القادر بدایونی نے دکھائی۔ ہوا یوں کہ اکبر کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، عبادت خانے کے مباحثوں میں تعدادِ ازواج پر گفتگو ہوئی تو بادشاہ کو خیال گزرا کہ کسی حرم کو رُخصت کیے بغیر بھی شرع کی پابندی ہو جائے۔ دو ایک علماء نے اسے متعہ کا راستہ دکھایا۔ دوسروں نے حنفی فقہ کی رو سے متعہ کی مخالفت کی۔ اس پر بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس کے حق میں اپنے اصول کی رو سے فتویٰ دیدے تو ایک حنفی کیلئے بھی متعہ جائز ہو سکتا ہے۔ بادشاہ کو اور کیا چاہیے تھا، اس نے فوراً دربار سے حنفی قاضی کو رُخصت کیا اور اس کی جگہ مالکی قاضی کو تعینات کر دیا، جس نے فوراً حسبِ طلب فتویٰ صادر کر دیا۔

انہی فقہی اختلافات نے بادشاہ کو آزادی کا راستہ دکھایا لیکن سب سے بڑی خرابی اس وقت ہوئی جب سب فرقوں اور طریقوں کے علماء و مشائخ دربار میں آ گئے۔ شیعہ، سنّی، صوفی صدری خیالات اور دوسرے اختلافات سامنے آئے۔

شیعہ عالم ملا محمد یزدی ان جھگڑوں میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفاء، بعض دوسرے صحابہ، اولیاء عظام اور فرقہ اہل سنت والجماعت اور سنّی علماء کو بہت برا بھلا کہا اور ان کے سب کے گمراہ ہونے کا فتویٰ دیا۔

ملا یزدی نے صحابہ کے خلاف کہا تو بادشاہ نے ابتدائی اسلام کی تاریخیں پڑھوانی شروع کیں۔ یہ کتابیں بد قسمتی سے شیعہ مورخین کی ہی لکھی ہوئی تھیں ان کو سن کر بادشاہ کا اعتقاد صحابہ کبار کے بارے میں بھی متزلزل ہو گیا۔

صوفی اہل فکر نے ان پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ بدایونی ان صوفیوں میں سب سے زیادہ شیخ تاج الدین کی شکایت کرتا ہے جو کئی کتابوں کے مصنف تھے اور وہ تاج العارفین کہلاتے تھے۔ علم توحید میں نئی فکر کے مالک شیخ ابنِ عربی تھے۔ انہوں نے "وحدت الوجود" کا راگ الاپا۔ ابنِ عربی کی تصانیف سے بادشاہ کے سامنے کئی ایسی چیزیں آئیں، جن سے آزاد خیالی کا سبق ملتا تھا۔ انہوں نے خلیفہ الزماں کو انسان کامل کہا۔ آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کی ایسی تاویلیں کیں کہ بادشاہ حیران ہو گیا۔ انہوں نے بادشاہ کو انسان کامل کے لقب کا مستحق ٹھہرایا اور اس کیلئے سجدۂ تعظیمی تجویز کیا۔

بہر حال ان وجوہات کی بناء پر جن میں خاص طور پر علماء کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ تھی اکبر کے دل میں علماء کیلئے کوئی احترام باقی نہ رہا۔

ابو الفضل نے اکبر کے ایک باب میں تفصیل کے ساتھ ان اعتراضات کو بیان کیا ہے جو بادشاہ پر لگائے گئے تھے اور ان کے اسباب و علل کو بھی بیان کیا ہے۔

بادشاہ پر جو الزام لگائے گئے ان میں اس کا دعویٰ الوہیت دعویٰ پیغمبر۔ دین اسلام کی ناقدری کرنا، دین اسلام کی ایسی تعبیر تفسیر و تشریح کہ جس سے دین مسخ ہو کر رہ گیا۔ ظل الٰہی کا لقب، سجدۂ تعظیمی وغیرہ شیعت ہندویت کا اثر قبول کرنا۔ ترک گوشت خوری آفتاب پرستی وغیرہ شامل ہے۔

ان اعتراضات کی تفصیل کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے دراصل شیعت، ہندویت یا سنیت وغیرہ مختلف مذاہب کے افکار کو ملا کر دین اسلام کی ایسی تفسیر و تشریح کی کہ دین اسلام کی حقیقی شکل اور اس کی روح بالکل مسخ ہو کر رہ گئی، ایک ایسا مذہب وجود میں آیا، جس کی بنیاد وحی الٰہی پر نہیں بلکہ ہوس پرستی جاہ طلبی اور خود سری و خود غرضی پر مبنی تھی۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملتِ اسلامیہ ایک نئے دوراہے پر کھڑی ہو گئی۔ علماء دو طبقوں میں بٹ گئے ایک وہ جو اپنی ہوس کو پورا کرنے کیلئے اکبر کی پشت پناہی کرنے لگے اور اس کی جوتیاں چاٹنے لگے۔ دوسرے وہ جو اس میدان میں کمر کس کر اکبر کے مقابلہ میں آیا۔ ان میں کئی نامور ہستیاں شامل ہیں جن کے سرخیل مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ انہوں نے بھرپور انداز میں اکبر کے نام نہاد دین "اکبری دھرم" کی دھجیاں اڑائیں اور عالمانہ تنقید اور اصلاحی مکتوب کے ذریعہ دین اکبری اصلی اور حقیقی شکل کو ابھارنے کی کوشش کی۔

آخر میں ایک سوال جو بہت اہم ہے جس پر اکبر کی مذہبی اور شخصیت کا دارومدار ہے وہ یہ کہ کیا اکبر نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی تھی؟ ـــــــ اور کیا اکبر نے جو احکام' دین سے متعلق دیئے تھے انہیں ایک مذہب کہا جائے یا محض ایک طریقہ۔ اس فیصلہ میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔ اس وقت کے مؤرخین بھی اکبر کو ایک نئے مذہب کا بانی سمجھتے ہیں۔

ہمارے دور میں بھی انہی افکار کے حامل ایک نامور اسکالر اور عالم حاجی عبد الغفار حاجی عمر چولا "قلم باز" جام نگری نے بھی اپنے انہی خیالات کی تائید میں ایک کتاب "اکبری دھرم" کے نام سے تصنیف کی ہے جو بالکل اچھوتی اور نادر کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنے اس خیال کو کہ اکبر ایک نئے دھرم کا بانی تھا، علمی اور تاریخی حقائق کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بگاڑ کے اسباب و عمل بھی بیان کر رہے ہیں اور جا بجا ان علماء و مشائخ کا بھی رد کیا ہے جن کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اکبر گمراہ تا چلا گیا۔ حاجی عبد الغفار حاجی عمر چولا کی تحقیق کے مطابق شیعہ علماء کی کارستانیاں اور صوفیوں کی ہوس پرستی یہ دو بنیادیں ایسی ہیں جو اکبر کو بگاڑنے میں پیش پیش تھیں۔ اگر سرزمین ہند میں شیعت اور صوفیت کا وجود نہ ہوتا تو شاید اکبر کبھی بھی گمراہی میں مبتلا نہ ہوتا۔ اس باب کی پوری تفصیل ان کی تحقیقی کتاب میں ملتی ہے۔